The
PASBA
Monthly
ALLAHABA
پاسبان
ایڈیٹر
قیمت سالانہ
Rs. 7-00
60 P.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲۶ شمارہ ۳ { دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا ٭ ہم پاسباں ہیں اسکے یہ پاسباں ہمارا } ماہ اپریل ۱۹۷۳ء

اس شمارے میں

مجلس ادارت

کامل سہسرامی، طیش صدیقی،
ضیا جالوی، سید ابوالفرح رحیتی۔

اشد ضروری ○

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ نے پاسبان کی خریداری کے سلسلہ میں جو رقم عنایت کی تھی وہ اس پرچہ پر ختم ہو گئی ہے، اب سال آیندہ کے لئے یا تو سالانہ قیمت سات روپئے بذریعہ منی آرڈر بھیجیں یا وی پی کی ہمیں اجازت دیں۔ اگر کسی وجہ سے آپ کو پاسبان کی خریداری منظور نہیں تب بھی ہمیں مطلع کریں تاکہ ادارہ آپ سے متعلق اپنی آخری رائے قائم کر سکے اور آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے نام وی پی نہ کی جائے گی۔ — منیجر

قیمت سالانہ — سات روپئے
قیمت فی پرچہ — ۶۰ پیسے

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ :- دفتر پاسبان، الہ آباد ۳

انوار احمد نظامی پرنٹر اینڈ پبلشر نے اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپوا کر دفتر پاسبان الہ آباد ۳، سے شائع کیا۔

شذرات

رہِ محبت میں ہم نے سوچا کہ سر جھکائیں کہاں سے پہلے
ہر ایک ذرہ پکار اُٹھا یہاں سے پہلے، یہاں سے پہلے

ربیع الاول کا آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا اور اس کی تابناک کرنیں سیاہی شب کو الوداع کہہ گئیں، اسی مہینے میں کرۂ ارضی کی عام اور مشترک عظمت نے ظہور کیا، اسی مہینے میں خدائے لم یزل کی سب سے بڑی نعمت زمین والوں کو دی گئی تھی، اسی مہینے میں کائنات کی سب سے محترم شخصیت نے مختلف پردۂ ظلمت کو اپنی نورانی تجلیوں سے معمور فرمایا تھا۔ اسی مہینے میں تاریخ کا ایک عدیم النظیر واقعہ رونما ہوا تھا اور جو واقعہ اس طویل العمر دنیا میں پھر کبھی نہیں رونما ہوگا۔ پھر کبھی نہیں۔

ربیع الاول شریف میں تشریف لانے والے آقا کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنے گوناگوں مظاہر اور رنگارنگ جلوؤں سے درخشندہ و تابندہ ہے — اسی لئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کرنے کی بات تو الگ رہی، کسی ایک پہلو پر بھی گفتگو کبھی کبھی اس لئے مشکل ہو جاتی ہے کہ اس راہ میں سب سے کٹھن منزل موضوع کے تعین کی آتی ہے یعنی یہ طے کرنا کہ آپ کی زندگی کا کون سا رخ پیش کیا جائے اور سیرت کے کس پہلو کو زیب عنوان بنایا جائے کیونکہ عالم یہ ہے ؎

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

عالم کا وہ کونسا راز ہے جس کو آپ نے واشگاف نہیں کیا، حیات و کائنات کا کونسا عقدہ ہے جو آپ نے حل نہیں فرمایا، جلال و جمال کی کونسی ادائے دلنواز ہے جو نہیں دکھلائی، زندگی کو جینے کا سلیقہ آپ نے سکھایا، کاروانِ حیات کو منزل کا پتہ آپ نے دیا، زندگی کو ایک نظام حیات کو ایک اصول اور زیست کو ایک اندازِ حیات آپ نے عطا فرمائے، آنکھوں کو بینائی آپ نے بخشی اور تخیل کو عظمت و بلندی آپ نے عنایت کی، ذہن و شعور میں انقلاب آپ نے برپا کیا اور فکر و نظر میں گیرائی، گہرائی، لطافت و پاکیزگی آپ نے مرحمت فرمائی۔

آپ ہی کے سبب لیلائے شب کی زلفوں میں برہمی آئی، آپ ہی کے لئے عروسِ فلک کی مانگ میں ستاروں کی افشاں چنی گئی، آپ ہی کی خاطر کلیوں کو تبسم اور پھولوں کو ہنسنے کی ادا سکھائی گئی، آپ ہی کے صدقے شمع کو ذوقِ تپش اندوزی اور پروانوں کو جل مرنے کا حوصلہ عطا کیا گیا، آپ ہی کے سبب آہوانِ صحرا لذتِ رم سے آشنا ہوئے اور آپ ہی کے لئے مرغانِ چمن کو شہپر پرواز دیا گیا۔ غرض عالم آب و آتش، خاک و باد آپ کے سبب ظہور میں آئے اور یہ کائنات آپ اور صرف آپ کے لئے تخلیق کی گئی۔

ہم اس ماہِ معظم کی عظمت پر دنیا کی تمام عظمتیں اور خصوصاً اس ماہ کی بارہویں تاریخ کی صبحِ سعادت پر ساری سعادتیں اور تمام کامرانیاں قربان کرتے ہوئے چاہت و سپردگی کی بیتاب آرزوؤں کے ساتھ ماہنامہ "پاسبان" کی تمام متاعِ حیات بارہویں ربیع الاول والے آقا کے حضور نذر کر رہے ہیں ؎

نثار کرنے کو لائیں کہاں سے تجھ پہ خوشی — یہی ہیں کچھ غم پنہاں بچے بچائے ہوئے

آسمانِ ولایت کا نیّرِ درخشاں جو ۲۵؍ صفر کو روپوش ہوا

آفتاب عالمتاب کی نورانی کرنیں جب ذرّے ذرّے کو ردکش آفتاب بنا چکتی ہیں تو خود آفتاب ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، لیکن اس کی جگہ فضائے عالم پر ستاروں کی کتنی ہی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں، جو اگرچہ آفتاب نہیں ہوتیں لیکن آفتاب ہی طرح تاریکیوں کو آداب گریز سکھاتی ہیں۔ یہ ستارے آفتاب ہی سے کسب نور کرکے خود چمکتے ہیں اور تمام پست و بلند اور خشک و تر کو چمکا دیتے ہیں۔

آفتاب نبوت جب ساری دنیا کو بقعۂ نور بنا دینے کے بعد ہماری آنکھوں سے نہاں ہوا تو اسی آفتاب کی فیض بخشی سے آسمان ولایت پر ہزاروں لاکھوں ستارے رونما ہو گئے، جن کی عالم افروز تجلیاں ضلالت دگمرہی کی تہہ در تہہ ظلمتوں کا کلیجہ چاک کر گئیں، جنھوں نے نگاہوں کو بھی فروغ بخشا اور نہاں خانۂ دل کو بھی تابناک بنا گئیں۔

ضلالت دگمرہی کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں تاریکیوں کو تعلیم فنا دینے کے لئے ملت کے آسمان پر جو ستارہ ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ کو چمکا تھا وہی ستارہ ۲۵؍ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو غروب ہوا۔ یہ وہی ستارہ تھا جس کی تابناک کرنیں از افق تا افق دور تک گئیں تھیں اور جسے ہم اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے یاد کرتے ہیں جسے عرفان و آگہی کی دنیائے شوق "مجدد" کہتی ہے اور جسکی روحانی سربلندیوں اور علمی شوکت و اقتدار کا پرچم آج بھی عرب و عجم پہ لہرا رہا ہے۔

۲۵؍ صفر کی تاریخ ہمیں اس لئے یاد رکھنی ہے کہ اسی دن ہم اس وارفتۂ عشق مصطفےٰ، اس کشور ولایت عشق کی بارگاہ سلطانی میں نذر و نیاز، فاتحہ اور ایصال ثواب کا خراج محبت ادا کرنے والے ہیں ۔۔۔ مولیٰ تعالیٰ ہماری اس وارفتگی شوق کو قبول عطا فرمائے، اور آپ کے فیضان سے ہم سب کو مالا مال کرے، آمین۔

—— ضیا جالوی

نوٹ

ادارہ پاسبان، تاجدار اور دار العلوم غریب نواز میں فاتحہ، ایصال ثواب کی مشترک مجلس ۲۵ صفر المظفر کے مطابق انجام پائینگی، مقامی حضرات شرکت کریں۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب خوشتر

سلام اُن پر جو بنکر نورِ وحدت بیگماں آئے

سلام اُن پر جو بنکر زینتِ کون و مکاں آئے
سلام اُن پر جو ہو کر بادشاہِ دو جہاں آئے

سلام اُن پر جو فخرِ انبیا ہو کر یہاں آئے
سلام اُن پر جو بنکر نازشِ بزمِ جہاں آئے

سلام اُن پر مٹانے جو غمِ سود و زیاں آئے
سلام اُن پر جو لیکر اِک جہانِ شادماں آئے

سلام اُن پر جو لے کر چارۂ دردِ نہاں آئے
سلام اُن پر جو بن کر نورِ جانِ انس و جاں آئے

سلام اُن پر جو اپنوں پر نگاہِ لطف رکھتے تھے
سلام اُن پر جو غیروں پر بھی ہو کر مہرباں آئے

سلام اُن پر جو جامِ کوثر و تسنیم دیتے ہیں
سلام اُن پر جو بن کر مالکِ باغِ جناں آئے

سلام اُن پر کہ جن پر ناز کرتے ہیں جہاں والے
سلام اُن پر جو بزمِ زندگی میں کامراں آئے

سلام اُن پر حکومت جن کی ہر مومن کے دل پر ہے
سلام اُن پر جو بن کر حاکمِ ہر دو جہاں آئے

سلام اُن پر کہ سایہ جن کا بزمِ حشر میں ہوگا
سلام اُن پر جو بن کر رحمتِ ربِّ جہاں آئے

سلام اُن پر جو قرآنِ معظم لے کے آئے تھے
سلام ان پر جو لے کر اک نظامِ جاوداں آئے

سلام اُن پر جو سب کے حامی و والی بنے آکر
سلام اُن پر جو بن کر رہبرِ راہِ اماں آئے

سلام اُن پر عبادت جن کے اوپر ناز کرتی ہے
سلام اُن پر جو ہو کر عاصیوں پر مہرباں آئے

سلام اُن پر ملی جن سے ہمیں دولت قناعت کی
سلام اُن پر جو لے کر ساتھ صبرِ بیکراں آئے

سلام اُن پر بہت انسانیت کا درد تھا جن کو
سلام اُن پر جو سب کے غم کو لے کر شادماں آئے

سلام اُن پر مدارِ زیست جن سے بندگی پر ہے
سلام اُن پر جو کارِ زندگی میں کامراں آئے

سلام اُن پر صلائے عام لائے میکدے کی جو
سلام اُن پر درود اُن پر ہو جو لے کر اذاں آئے

سلام اُن پر جو اے خوشتر زمانے بھر کے مولا ہیں
سلام اُن پر جو بنکر نور وحدت بے گماں آئے

جناب مولوی عبدالشاہد خاں صاحب
شاہد شروانی

شانِ رسالت

حالت در حقیقت ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق خامہ زمائی کی جرأت کرنے کے لئے واقعی اعلیٰ قابلیت کی ضرورت ہے، گرچونکہ اس وقت رسالت کا موضوع پیش نظر ہے، اس لئے باوجود بیچمدانی کے اپنے حوصلہ سے زیادہ جرأت کرتا ہوں، ناظرین کرام سے امید ہے کہ اس موضوع خاص کے متعلق اگر میرے بیان میں کوئی لغزش محسوس ہو تو مجھے معاف فرمائیں گے۔

سب سے پہلے مجھے نبی اور رسول میں جو امتیازی فرق ہے پیش کرنا ضروری ہے، اگرچہ یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں اور ہر کس وناکس کی زبان سے سنے جاتے ہیں، مگر اس کے نازک فرق کو عام افراد نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے اگر میں یہ بتا دینے کی کوشش کروں کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ جو انسان جملہ علائق جسمانی سے پاک ہو کر معلومات عالم غیب سے حاصل کرے یا کسی قوم پر آنے والے آفات و بلیات سے آگاہ ہو کر اس قوم کو متنبہ کرے تو وہ نہایت نامور اور برگزیدہ ہستی کہلانے کی مستحق ہے، پس جب حکمت الٰہی اور رحمت نامتناہی اصلاح خلق کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو وہ روشن دل و دماغ والی ہستی خلق خدا کو تاریکی سے نکال کر صحیح روشنی میں لاتی ہے اور اس کا نفس قدسی آفتاب جہاں تاب کی طرح روشن ہوتا ہے اور اس کی روشنی سے خلق خدا کو کافی اور ضروری فائدہ پہنچاتا ہے اور ایسے شخص کا عالم اجسام اور عالم ملکوت میں بھی تصرف ہوتا ہے اور اس سے خلاف معمول محیر العقول باتیں سرزد ہوتی ہیں۔ اور جو چیزیں حس بصر اور قوت بشریت سے غائب ہیں، اس کو نظر آتی ہیں، اس کو بالفاظ دیگر معجزہ کہتے ہیں اور جس سے اس قسم کے افعال خلاف عادت ظہور میں آئیں وہ نبی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور جب اس سے زیادہ اس پر رحمت نازل ہوتی ہے تو وہ صاحب شریعت جدیدہ اور آسمانی کتاب کا حامل ہوتا ہے پھر وہ عام اصطلاح میں رسول کہا جاتا ہے لہٰذا نبی اور رسول میں صرف اسی قدر امتیازی فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ برتر و بزرگ نے ختم نبوت سے پہلے ہر دور اور ہر قرن میں انسانوں کی اصلاح نفس کے واسطے ایسی بزرگ ہستیاں پیدا کی ہیں جن کی روحیں غلطیوں اور نفسانی خواہشات کی ظلمت سے بالکل پاک صاف ہیں اور حقائق الاشیاء کے راز ان پر منکشف ہیں، اور وہ پاک روحیں انجذاب قلوب بنی آدم کی کافی قوت رکھتی ہیں، اور وہ بنی آدم کو بقدر اپنی روحی قوت کے تصرف سے سیدھی راہ چلاتے تھے لہٰذا ایسی قوت اور ایسے اوصاف والے انسان کو نبی اور صاحب شریعت اور کتاب کو رسول کہتے ہیں لیکن گروہ انبیاء میں بعض نے کم اور بعض نے اعلیٰ درجہ پایا ہے۔ سب سے زیادہ درجہ میں وہ نبی شمار کیا جاتا ہے جس نے نور نبوت سے عالم و بنی آدم کو زیادہ منور و متجلی کیا اور جس کے فیوض و برکات سے مخلوق خدا کو زیادہ فائدہ پہنچا ہے۔ اس موقعہ پر میں صاف الفاظ میں کہوں گا کہ دنیا میں کسی نبی مرسل نے ہمارے سرکار تاجدار مدینہ کی طرح فیوض و برکات کا مینہ نہیں برسایا، اور اس ذات پاک سے زیادہ کسی نے اصل فطرت کی تعلیم نہیں دی، اور نہ فطرت حقہ کی اصل کو قائم رکھا لہٰذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیشک سب سے اعلیٰ اور افضل اور کل انبیاء سے برتر اور بالا ہے۔ بنظر واقفیت عامہ مجملاً سیرت نبوی کے متعلق کسی قدر گزارش کرنا غالباً غیر ضروری نہ ہوگا۔

قبل اس کے کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر گل ہائے نبوت کا سہرا باندھا جائے اور نبی کی حیثیت سے بنی نوع انسان کے حلقہ میں تشریف لائیں۔ آپ بتقاضائے فطری اکثر

ابتداءً ہر وقت غارِ حرا میں تشریف لے جاکر اس عبادت میں یہ
تعلیمِ فطرت مصروف ہوتے تھے، جو آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم
علیہ السّلام خلعتِ نبوت سے آراستہ ہونے کے سے پہلے لیا کرتے
تھے، اور سلسلہ عبادت موروثی درحقیقت کتابِ نبوت کا دیباچہ تھی۔
پھر اسی سلسلۂ عبادت پہلے آپ پر بحالتِ خواب اسرار منکشف
ہونے لگے۔ اسی کو ہم نبوت کی پہلی منزل سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ
ایک روز غارِ حرا کے اندر عبادت میں مصروف تھے، یکایک فرشتۂ
قدرت نے آپ کو سورۂ اقرار۔ مَالَمْ یَعْلَمْ تک تعلیم دی۔ اس
واقعۂ عجیب کے پہلے پہل رونما ہونے کے بعد جب آپ مکان
پر تشریف لائے تو ہیبتِ جلالِ الٰہی کا آپ کے قلب پر کافی اثر تھا
چنانچہ ورقہ بن نوفل نے جو توریت و انجیل پر وسیع نظر رکھتے تھے،
اس واقعہ کو سنکر کہا کہ یہی ناموس موسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوا تھا۔
اور آپ کی نبوت کا صدقِ دل سے اعتراف کیا۔

درحقیقت نبوت ایک عظیم الشان خدمت یا مرتبہ ہے جب
کسی پر بارِ نبوت رکھا جاتا ہے تو یکایک اس کا متحمل ہونا کوئی آسان
بات نہیں ہے، اور اگر قلبِ انسان اس سے ایک گونہ متاثر
ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔ سرکارِ مدینہ بھی بظاہر بشر تھے اور تقاضائے
بشریت بھی یہی ہے کہ کسی عجیب و غریب واقعہ کے رونما ہونے سے
ہیبت یا خوف محسوس ہو، اسی واسطے قدرت نے سب سے پہلے
آپ کو بحالتِ خواب روشناس کیا۔ اس کے بعد فرشتہ کو پیش کیا گیا۔
جسے دوسرے الفاظ میں ناموس کہتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات
درحقیقت نبوت کا ابتدائی باب کہلاتے ہیں۔ چونکہ عہدِ نبوی کے
پہلے حصہ میں عرب جہالت کا ایک نہایت تاریک مقام تھا اور کسی
واحد انسان کی قوت اس تاریکی کو دفع نہیں کر سکتی تھی، اس لیے
فرضِ نبوت کا ایسے وقت میں ادا کرنا مشکل سے مشکل کام تھا۔ مگر آپ
دنیا میں صرف اسی واسطے تشریف لائے تھے کہ صرف عرب ہی نہیں
بلکہ تمام دنیا کو نورِ اسلام سے چمکائیں۔ چنانچہ آپ نے نہایت تدبر کے
ساتھ دنیائے انسانیت میں قدم رکھا اور نہایت رازداری کے
ساتھ چند معزز افراد آپ کے حلقۂ غلامی میں بلا جبر و اکراہ داخل

ہوئے اور چند جدید طریقۂ عبادت کو در پردہ شائع
یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلام لانا اور خدمتِ تبلیغ کرنا سخت سے سخت
مشکل کام تھا۔ کیونکہ ابھی اسلام کی نشوونما غیر کافی تھی
ایک بڑے کافر طبقہ فتحیاب ہونا آسان نہ تھا۔ مگر سرکارِ دو عالم
ہدایت کی شعاعیں جس طرف رُخ کرتی تھیں یا پرتو افگن ہوتی
نیک دل انسانوں کو نورِ ایمان سے مزین کر دیتی تھیں۔ ابتداً قریش
اگرچہ نہایت خونخوار ظالم اور جفاکار تھے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم سے انتہائی خصومت و دشمنی رکھتے تھے۔ نیز مال و زر
سے بھی مستغنی تھے مگر حضور کے مقابلے میں ان کی تمام تر کاشیں
نقصان رسانی کی کل تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں اور مستقبل
میں تمام عالم نے یہ دیکھ لیا کہ وہی شخص جو آسمانِ نبوت کا آفتاب
بن کر قریشی ظلمت خانے میں چمکنے والا تھا، اس نے قیصر و کسریٰ
کے تخت الٹ دیئے۔

حضرت نبی اُمّی نے تین برس فرضِ تبلیغ کو پردۂ راز میں
ادا کیا۔ اب وقت آگیا کہ آفتابِ رسالت بن کر دنیا میں جلوہ گر
ہوں، صاف طریقے پر تبلیغ کا حکم آیا۔ چنانچہ چند روز کے بعد
حضور نبی کریم نے بمعیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ واضح طور پر
تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا۔ قریش کے تحیر کے واسطے اس سے
زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا جب ان کی آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ
ایک کمسن لڑکا جس نے ابھی اپنی عمر کی تیرھویں بہار دیکھی ہے
یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود دنیا کی
ظلمت کے فاتح ہونے والے ہیں، دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے
واسطے کھڑے ہوئے ہیں۔ کافروں کو اپنی قوت و کثرت پر بھروسہ
رکھتے ہوئے اس وقت تو یقین نہیں آیا مگر پھر ان کو معترف ہونا پڑا کہ
آنحضرت کا لایا ہوا اسلام اور خدا کا پیغام اور دعویٰ نبوت بالکل
صحیح تھا۔ قریش کی دشمنی کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ
حضرت نبی ہاشمی نے مکہ کی زمین پر قدم رکھنے کے بعد بذریعہ نبوت
قریش کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف تحریکِ اسلام دنیا میں پیش
کی تو وہ اپنے باطل عقائد میں اعلانِ اسلام کو ٹھنڈے دل سے

سکے بلکہ آتش انتقام میں جلنے لگے اور اس نیک ارادہ کو
بخیال خود برباد کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اور اس کے
مٹانے کی سعی میں سرزمین عرب پر مدتوں حشر برپا رکھا مگر باطل پرست
قریش اپنی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے اور جبروت حقہ
کسی باطل قوت سے نہ دب سکی۔

الغرض رسالت کا ابتدائی زمانہ نہایت خطرناک طریقہ سے
گزر رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تبلیغی سلسلہ اپنی خداداد
قوت کے ساتھ ترقی کے میدان میں تیز تیز قدم بڑھائے جا رہا تھا
آخر تھک کر رؤسائے قریش نے ابوطالب عم رسول مقبول کی
خدمت میں آ کر جب صاف الفاظ میں کہا کہ ہمارے معبودوں کی
سخت توہین کی جاتی ہے اور ہم کو اور ہم سے پہلے گزرنے والوں
کو گمراہ بتایا جاتا ہے۔ ہم ایسے سننے کے متحمل نہیں ہو سکتے یا تم اپنے
بھتیجے کی ہمدردی سے ہاتھ اٹھاؤ یا اس کے ساتھ میدان میں
اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔

ابوطالب پر سرداران قریش کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ سرکار دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں کہنا پڑا کہ مجھ پر اتنا بار نہ ڈالنا چاہئے
جسے میں اٹھا نہ سکوں۔ جب حضور اکرم نے اپنے چچا کے قلب کو
اتنا متاثر دیکھا تو بقسم ارشاد فرمایا کہ میں اپنے فرض کو جب تک
جسم میں جان ہے ضرور ادا کروں گا۔

جب کفار قریش نے یہ سنا تو جوش انتقام میں بیچین ہو گئے
اور نبی کریم کو قسم قسم کی تکالیف پہنچانے کا بیڑا اٹھا لیا اور ان
باطل پرستوں نے ظلم وستم کے نہایت عبرت آمیز کارنامے شروع کر دیئے
اور بیکس مسلمانوں پر دست تعدی دراز کیا منجملہ ان کے جو قریشیوں
کے ہاتھوں انتہا سے زیادہ ستائے گئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی
والدہ اور مثل ان کے دیگر غریب مسلمان تھے جن کی ایذا رسانی کے
واقعات سن کر کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ ان سچے خدا پرستوں کو سخت
سے سخت اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں مگر ان کے سینوں میں اس قدر
نور ایمان کی تجلی بھری ہوئی تھی کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت
اور کفار مکہ کے ناروا اور ناقابل برداشت ایذا رسانی ان کو ایک
سکنڈ کے لئے بھی اسلام سے روگرداں نہ کر سکی۔ قریش کے مظالم کی
گھنگھور گھٹائیں اور ان کے جور وستم کے بادل مسلمانوں کے سروں پر اگر
برستے اور کھلنے کا نام نہ لیتے۔ مگر جاں نثاران سرکار دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم سے یہ ممکن نہ تھا کہ اُف کریں یا ان کے قوت استقلال
میں انحطاط کو دخل ہو سکے۔ وہ اسلام کی محبت میں ہر قسم کی تکلیف
برداشت کرتے ہوئے خدائے واحد کی اطاعت سے منھ نہ موڑتے
تھے اور غلامی رسالت کا طوق گلے سے نہ اُتارنا تھا نہ اُتارا اور رفتہ
رفتہ تمام باطل قوتوں پر اسلام نے فتح پائی۔

یوں تو ہر فرد بشر نے اپنی جان و مال حضور کے قدموں پر نچھاور
کر رکھی تھی مگر ان سب فدا کاران سرکار دو عالم میں چار جلیل القدر
ہستیوں نے جو جو کام انجام دیئے ہیں ان کی مثال تاریخ عالم میں نہیں
ملتی۔ سب سے بڑی اور سب سے اعلیٰ ہستی خلیفہ اوّل حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے تبلیغ اسلام میں جو نمایاں
حصہ لیا ہے اس سے ہر صاحب بصیرت واقف ہے اور جس کے
دل میں شمع برابر بھی نور ایمان ہے وہ اس کو اچھی طرح جانتا ہے کہ حضور
نبی کریم کے بعد جس ذات گرامی کو افضل و اعلیٰ کہا جا سکتا ہے، وہ
خلیفہ اول ہی کی ذات بابرکت ہے، اسی وجہ سے آپ جانشین
سرکار دو عالم ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ آج پہلوئے محبوب میں استراحت
فرما ہیں۔ آپ نے دامے، درمے، قدمے، سخنے جو اسلام کی خدمت
کی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ "ہمیں بس است"

دوسری ذات خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے۔
آپ کے متعلق اسی قدر عرض کرنا کافی ہے کہ تبلیغ اسلام علی الاعلان
کا سبب یہی متبرک وجود ہے اور اسلام کو جتنی تقویت اس ذات گرامی
سے پہنچی وہ کسی دوسری سے نہ پہنچ سکی۔ بالآخر یہی وجہ ہے کہ یہ ذات
آج بھی رفاقت ادا کر رہی ہے اور وصل محبوب کی لذت سے لطف
اندوز ہو رہی ہے۔

تیسری ذات خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
کی ہے، میں جرأت کر کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر حضرت اقدس کی بے مثل

(بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

جناب مولانا عبدالرحمن صاحب صدیقی مونگیری

مدنی تاجدار کے گذرے لمحات

آج زمانے میں کسی چیز کی کمی نہیں، فصاحت و بلاغت کی تھیوریاں موجود ہیں۔ زیور وزر کی تجوریاں بھی آج روسی راکٹ بھی اسی فضا میں پرواز کرتے نظر آتے ہیں اور اسی زمین میں ایٹمی تجربات بھی پائے جاتے ہیں۔ آج کے انسانوں نے فرانس کے مقنن کی دفعات اور رومن جیورسٹ کے نیصلے بھی سُنے ہیں، ہواؤں میں اڑنا بھی سیکھا ہے۔ مگر عملی میدان میں ان عالموں سے بالکل خالی نظر آیا۔ عملی گوشے ان سیر دجیورسٹ میں بھی نہیں پائے گئے۔ مگر میں ایک ایسے انسان سے محبت کرنا چاہتا ہوں۔ جس کی زندگی کا ہر ہر لمحہ درس حیات تھا۔ اسی لئے موجودہ معرکہ آرائیاں بھی کہہ رہی ہیں۔ اگر خاک وخون سے کھیلنا مقصود ہو تو فوجی دستے کے ہمراہ ہو جاؤ۔ اگر حیات جاودانی مطلوب ہو تو دامنِ مصطفےٰ سے لپٹ جاؤ۔ جنھوں نے انسان نما درندوں کو رہبر کامل بنا دیا اور اپنے خون کے پیاسے کو سینے سے لگا لیا۔

آپ ترسیٹھ سالہ زندگی میں بچپنے سے لے کر ضعیفی تک کا نمونہ پیش فرمایا اور بوقت پیدائش بھی وہ دُرِ یتیم یتیموں کو سبق صبر دے گیا کہ اے یتیمو! تم اسباب ظاہری مفقود ہو جانے سے گھبرا نہ جانا، والد کی داغ مفارقت پر رنجیدہ نہ ہونا۔ پھر وہ یتیم اچھی طرح آغوش مادر میں کھیل بھی نہ سکا تھا کہ قضا و قدر نے ماں اور بیٹے کے درمیان پردۂ مفارقت ڈال دیا۔ ماں اپنے بیٹے کی بیکسی پر خون کے آنسو بہا بہا کر کہہ رہی تھی، ہائے نصیبہ! چمن ہاشم کی شگفتہ کلی نذر خزاں ہو جائیگی۔ عمر کی ساری کمائی منٹوں میں لٹ جائے گی جس کے والد نے اپنے نونہال کا منھ بھی نہ دیکھا اور بیٹے کی پیدائش سے قبل سفر آخرت فرمایا۔ کوئی بھائی وبہن بھی نہیں کہ اس کی پرورش میں معاون و مددگار ہو۔ کوئی نگراں نہیں کہ اس کے ماحول و معاشرے کو سنبھال سکے مگر مشیت مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ اے آمنہ تو اپنے لاڈلے کو یتیم نہ سمجھ، دنیائے انسانیت اسی کے آگے زانوئے ادب تہہ کرے گی، تو حیران و پریشان نہ ہو، کل تیری ہی امانت سے دُنیا امن پائے گی۔

ع ناخدا جس کا نہ ہو اس کا خدا ہوتا ہے

اور وہ دُرِ یتیم اپنی خاموش زبان سے کہہ رہا تھا کہ اے یتیمو! تم محمد ابن عبداللہ کی سوانح یتیمی پڑھ کر اپنے دلوں کو تسلی دے لینا، ذرا اب اس دُرِ یتیم کی جانبازی تو دیکھئے۔

عزیزان گرامی جس قدر اہمیت پیغام کو حاصل تھی ضرورت تھی کہ پیغامبر بھی انھیں خصوصیات کا حامل ہو ابھی آپ صرف انکی حیات طیبہ کے اس پہلو پر غور کریں کہ اپنے فریضہ تبلیغ کو جو ان کا مقصد حیات تھا، انھوں نے کس طرح ادا کیا اور ہمارے لئے اپنی زندگی کا کیسا نمونہ چھوڑ گئے، وہ رہبرِ کامل جو خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے، جن کا تنصیب حجر اسود کا فیصلہ سرکشان قریش کو اسیر کمند محبت کر چکا تھا۔ وہ محمد جن کی خوش معاملگی کا ڈنکا بازار عکاظ سے لیکر دمشق کے چوراہے تک بج رہا تھا، وہ محمد جن کی صداقت کی قسمیں کھائی جاتی تھیں، وہ محمد جن کی امانت میں شبہہ کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اے لوگو جب وہ نبی خدا کے اس آخری پیغام کو سُنانے کے لئے صفا کی بلند چوٹیوں پر چڑھتے ہیں اور آل غالب کو آنے والے خطرات سے ڈراتے ہیں، تو تم نے دیکھا اور تاریخ نے شہادت دی کہ اُن کے روئے انور پر مکہ کی خاک اڑائی گئی۔ ان کے پائے نازک کی خار مغیلاں سے تواضع کی گئی، خلس وذبیح کا وطن ان کے پوتے پر تنگ کر دیا گیا، ان کے سر کے لئے انعام مقرر کیا گیا، کیا ان ساری باتوں میں چشم بینا کے لئے روشنی اور قلب فہیم کے لئے

سبق نہیں؟ کہ اس دنیا میں حق و صداقت کا پیغام پہونچانا طاغوتی طاقتوں کو دعوت پیکار دینا اور ذریات شیطان کو آمادۂ جنگ کرنا ہے؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنائے ہوئے حکم فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی تعمیل میں آمادۂ اشاعتِ پیغام الٰہی ہوجانے والو۔ یہ وہ راستہ نہیں کہ آبلہ پائی کے بغیر گزر جائے، یہ وہ لقمہ نہیں جو حلقوم کو زخمی کئے بغیر ہضم ہوجائے۔ یہ وہ منزل نہیں جو ہفت خوان کو طے کئے بغیر ہاتھ آجائے۔ یہاں ترغیب کی سنہری زنجیریں ہیں اور ترہیب کی آہنی طاقتیں کبھی مکہ کی ساری دولتیں جمع کی جارہی ہیں، عرب کا تخت آراستہ کیا جارہا ہے تو کبھی بدر کا بدلہ لینے کی قسمیں کھائی جارہی ہیں تلواریں صیقل ہورہی ہیں۔ نیزوں کے پھل گھسے جارہے ہیں، تیروں کے پیکان آزمائے جارہے ہیں۔ یہاں ان آہنی قدموں اور کوہ صفت ارادوں کی ضرورت ہے، جو شمس و قمر کی تسخیر کو ٹھکرادے، جو طوفانِ مصائب میں گردن تانے کھڑا ہو، جو دانت کے ٹوٹنے پر مسکرادے، جو گھر بار لٹا کر شکر کرے۔ کیا عقل انسانی کسی ایسی تدبیر کو سوچ سکتی ہے، اور آج سے چودہ سو سال پہلے کا ماحول کسی ایسے طریقہ کو پیش کرسکتا ہے؟ جس پر محمد رسول اللہ نے عمل نہ کیا۔ نہیں اور ہرگز نہیں!

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنے عزیزوں کو اَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کی تعمیل میں دعوتِ حق دیتے ہیں۔ دعوت حق کی دشواریاں آپ کی نگاہیں دیکھ چکیں۔ محمد رسول اللہ ان کے لئے کوئی اجنبی نہ تھے بلکہ بچپنے سے لے کر جوانی تک ان آنکھوں نے قریب سے دیکھا تھا، اسی لئے تو آج تک کسی مخالف سے بھی نہ سنا گیا کہ محمد رسول اللہ کا قدم امانت و صداقت سے ڈگمگایا ہو، کسی کو ان کے ہاتھوں سے کوئی تکلیف پہنچی ہو یا کبھی کوئی آپ کی باتوں سے کبیدہ خاطر ہوا ہو، پھر ان سے غلطیوں کا صدور ناممکن، کیونکہ وہ تو خود ہی معلم تہذیب کہلوایا، ابولہب جیسے تنگ دل انسان نے صادق کہا، یعنی جب رسالتِ محمدیہ اپنا لوہا اپنے دشمنوں سے منوا چکی تو ایک دفعہ اعلان کردیا۔ لا الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ۔ پھر تبلیغ دین گھر کے ایک تنگ و تاریک گوشے سے شروع ہوئی جبکہ شرافت صدیقی وادی مکہ میں نام کرچکی تھی، سطوت فاروقی سے دنیائے عرب تھرا چکی تھی، حلم عثمانی کا ستارہ فلک ہفتم پر چمک رہا تھا، بازوئے حیدر سے خیبر کا باب گھبرا رہا تھا، جناب زید اپنی امانت میں معتمد نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ خدیجۃ الکبریٰ کی شرافت سے ہر تاجر واقف تھا اور دولت خدیجہ دنیائے عرب میں شہرت حاصل کرچکی تھی اور پھر آپ کی امانت و صداقت بھی اپنی مثال آپ ہی تھی۔ اسی لئے جب معدودے چند افراد کے سامنے لا الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ کا اعلان فرمایا تو جناب صدیق نے ذرا بھی تامل نہ کیا بلکہ صدقت یا محمد کا نعرہ لگایا۔ عمر فاروق جیسا مایۂ ناز جوان قرآن معجز بیان سن کر لرز گیا، اور دامن اسلام سے وابستہ ہوا۔ جناب عثمان کی حلم و انکساری کیونکر ایک حلیم کا ساتھ نہ دیتی۔ وہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ جناب علی کس طرح انکار کرتے جبکہ قدم مصطفےٰ کو کبھی ڈگمگاتے نہیں پایا۔ حضرت خدیجہ کے لئے بھی محل انکار کیا تھا جبکہ ذات گرامی پر دھوپ کی تمازت میں بادلوں کو سایہ کرتے پایا۔ حضرت زید کیونکر ایمان نہ لاتے جبکہ بحیرۂ راہب سے اقرار بالرسالت قبولیت کے کانوں سے سن چکے تھے۔ پھر ایسی تعلیم ہی کیا تھی جس سے انکار کیا جائے؟ آزادی کسے مطلوب نہیں؟ ہم نے دنیوی آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنے چمن کو خونوں سے سینچا ہے انھیں تو دنیوی اور اخروی دونوں آزادیاں مفت مل رہی تھیں۔ انھوں نے درسِ آزادی دیا تو اس طرح کہ ہزاروں دربار کے بھکاری کو ایک ہی در بتایا سینکڑوں معبوداں باطل کے پجاریوں کو خدائے واحد کے آگے لا جھکایا، اونچ نیچ کا فرق مٹایا، ہواؤں کا فریاد رس یتیموں کے کام آیا۔

تاریکیٔ کفر کافور ہوئی۔ رحمت و راحت کا بادل چھایا۔ تہذیب نے انگڑائی لی، تمدن کو سرور آیا اور فضائے عالم میں یہ اعلان کردیا کہ اے انسانو! تم کسی کی امانت ہو، تمھاری زندگی کے کچھ اصول

ہیں۔ تم اوامر کی پابندی کرو، نواہی سے ہمیشہ بچو۔ خدا کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اخیر دم تک نماز پڑھتے رہو۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھو۔ تم میں جو مالدار ہو اس پر حج کعبہ یعنی زیارت بیت اللہ بھی فرض ہے۔ غریبوں مسکینوں کا بھی تمہارے ذمہ حق ہے۔ اس کا پورا پورا حق ادا کرو۔ فقیروں کے دکھ درد میں کام آؤ۔ مریضوں کی عیادت کرو۔ تم زنا نہ کرو۔ شراب مت پیو، سود ہرگز نہ کھاؤ۔ ناحق لوگوں کو نہ ستاؤ۔ حلال کماؤ۔ رزق حرام سے باز رہو۔ کسی کی غیبت نہ کرو۔ کسی پر تہمت نہ لگاؤ۔ کسی کو ذلیل نہ سمجھو، کسی کی آبرو سے نہ کھیلو۔

غرضیکہ اس انسان کا ہر ہر لمحہ درس حیات تھا۔ اخلاق کی بلندی بیان سے باہر ہے، جس کے لئے وہ اشرف الانسان خود ہی رطب اللسان ہے۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ اس کا اعتراف یوروپین مورخ گبن نے بھی کیا ہے کہ اس اخلاق کا انسان اس سے پہلے نہ پایا گیا نہ آئندہ آنے کی امید۔ برسر راہ ایک مختصر سا واقعہ بیان کر دوں۔

ایک دفعہ گروہ صحابہ نے آکر دربار عائشہ میں عرض کیا کہ اے ام المومنین! آپ حضور کے اخلاق حسنہ بیان فرمائیے اس ملکۂ شاہنشاہ جہاں نے جس تفقّر سے جواب مرحمت فرمایا وہ انھیں کے شایان شان تھا۔ فرمایا۔ اے لوگو تم دنیا کے ساز و سامان شمار کر دو۔ گروہ صحابہ نے ایک زبان ہو کر کہا۔ اے ام المومنین! کیا یہ ممکن ہے کہ متاع عالم شمار ہو سکے۔ جس کی تعداد سوائے خالق کائنات کے کوئی اور نہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کیا تم لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا، جب کائنات دنیا کی تمام چیزوں کو متاع الدنیا قلیل فرمائے تو اس کا شمار ممکن نہیں اور جن کے اخلاق کے لئے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کہا جائے اس کا شمار ممکن ہے۔

اسی لئے اس امی کے اخلاق پر آج بھی تاریخی اوراق شاہد ہیں جو شمع نبوت بجھانے آئے تھے۔ وہ اپنے دلوں کو نورانی تجلیوں سے معمور کر کے واپس ہوئے۔ جو بانی اسلام کا سر تن سے جدا کرنے آئے تھے۔ نگاہ مصطفےٰ نے انھیں اسیر کمند محبت کر لیا اور اپنا دامن مراد گوہر مراد سے بھر کر واپس ہوئے۔ غرضیکہ حقانیت کی بیڑی نے انھیں اس طرح مقید کر لیا کہ وہ قیدی اپنے خون کے قطرے اس بیڑی کو نذر کرنے لگا۔ غلامی کی ایسی زنجیریں گلے میں ڈال دی گئیں کہ حق پر آنچ آتے دیکھ کر ان کے لئے اپنی جان سے کھیلنا طفل بازیچہ سے بھی کمتر تھا۔ ان غلاموں کی گردنیں کٹوا دی گئیں مگر دنیا دی طاقتوں سے طوق غلامی نکالا نہ جا سکا۔ انھوں نے خاک و خون میں تڑپتے ہوئے اس دنیا کو خیرباد کہا مگر محمد کے پائے اقدس میں ایک کانٹے کا چبھنا بھی گوارا نہ کیا۔ یہی وہ ساقی تھا جس کے میخانے کے رند حق پر جان سے کھیلنے کو ذریعہ نجات جانتے تھے۔ کیا ذریات نپولین، ہٹلر، اسٹالین، سے معلوم کر سکتا ہوں کہ آج مذہبی دنیا میں سوشیلزم، کمیونزم اور نازی ازم نے کیا کچھ کر دکھایا ؎

یہی کہتے رہے تلوار سے پھیلا اسلام
یہ تو بتلاؤ ذرا توپ سے کیا پھیلا

پھر وہ رہبر انسانیت دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی آنے والی ذریات آدم و حوا کو درس حیات دے گیا۔ کہ اے دنیا والو تم یہ چاہتے ہو کہ خاروں میں رہ دامن کے تار تار بچا رہے، تو فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کو مشعل راہ بنالو، مگر افسوس صد افسوس، ہمارے شامت اعمال نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ ہماری ہی کوتاہی کے پیش نظر ایک یوروپین مورخ نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ ایک دفعہ گولی کا نشانہ ہو جانا یا تلوار سے ٹکڑے ہو کر مر جانا، اس بات سے آسان ہے کہ کسی کے نقش کف پا کی پیروی کی جائے۔ اے لوگو! اس کی آسانی سے انکار نہیں کیا جا سکتا، آسان تو ضرور ہے بہتر نہیں۔

بہتر تو جب تھا جبکہ بعد موت فنائے دائمی ہوتی۔ حساب نہ لیا جاتا، کوئی مواخذہ نہ ہوتا اور اگر بعد مردن بھی حساب دنیا کے ہر ہر گزرے لمحے کا محاسبہ ہوگا اور مدار نجات ہی غلامی پر ہے، تو ہزاروں آزادی اس ایک غلامی پر قربان، اسی لئے اللہ کے

بقیہ صفحہ ۲۱ پر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

جناب آرزو سہارنپوری

عناصر کا یہ وصل باہم نہ ہوتا ‎ مذاقِ تجلی مجسم نہ ہوتا
ازل تا ابد نام آدم نہ ہوتا ‎ یہ عالم نہ ہوتا وہ عالم نہ ہوتا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ سترِ مجاز اور یہ حسنِ عقیدت ‎ یہ انوارِ کثرت یہ اسرارِ وحدت
شریعت، طریقت، حدیثِ محبت ‎ نبوت، ولایت، امامت، شہادت
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ صورت، یہ معنیٰ، یہ جلوہ، یہ پردہ ‎ جمال سراپائے پنہاں و پیدا
یہ شام و سحر، یہ اندھیرا، یہ اجالا ‎ یہ جینا یہ مرنا، یہ دنیا یہ عقبےٰ
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ ارض و سما کی شگفتہ کہانی ‎ عروسِ دوعالم کی رنگیں جوانی
یہ جسموں کی دنیا، لہو کی روانی ‎ یہ بجلی، یہ بادل، یہ آگ اور پانی
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ کہسار و دریا، یہ دشت و بیاباں ‎ تجلی رخسارِ صبحِ گلستاں
نظر در نظر، عیشِ جنت کا ساماں ‎ یہ حور و ملائک، یہ جن اور انساں
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ مہرِ منور، یہ مہتاب و انجم ‎ یہ راتوں کی خاموشیوں کا تکلم
یہ صبحِ چمن، یہ کلی کا تبسم ‎ یہ بلبل یہ قمری کا سحرِ ترنم
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

مشیت کی عالم یہ فرماں روائی ‎ ہر اک شے میں فطرت کی جلوہ نمائی
حجاباتِ معنی کی عقدہ کشائی ‎ خدائے محمد کی ساری خدائی
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

بشر کیا، بشر کے یہ وہم و گماں کیا ‎ عدم جانے والوں کا یہ کارواں کیا
طلسمِ زمین و بساطِ زماں کیا ‎ مکاں کیا ہے اے آرزوؔ لامکاں کیا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

تکمیل دین

حافظ محمد عبد الشکور صاحب حافظ
سبحا پور کٹوریہ،
بھاگلپور

طلوع اسلام سے قبل پوری دنیا میں قتل و قتال اور خون ریزی کا بازار گرم تھا، سکون و اطمینان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی کہنے کو انسان زندہ تھا مگر انسانیت منوں مٹی کے تلے سسک سسک کر دم توڑ چکی تھی۔ بچے، بوڑھے، جوان، مرد و عورت، یتیم و بیوہ سبھی اس آسمان کے نیچے سراپا فریاد بنے ہوئے تھے، ایسے بھیانک اور صبر آزما حالات میں اسلام کا پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر نمودار ہونا، رحمت الٰہی نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس نے آتے ہی بڑے پیارے انداز سے دنیا کو صلح و آشتی اور توحید و رسالت کی دعوت دی، اور فتنہ و فساد سے روکتے ہوئے اس کی تعلیم دی کہ تمھارا کام جنگ و جدال کرنا نہیں بلکہ صلح و آشتی اور امن و امان تمھارا مقصد حیات ہے۔ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ یہ انسانیت کی کتنی بڑی بھول ہے کہ اس کی صبح و شام فتنہ و فساد میں گزرے۔

یہ صوت ہادی تھی جو ہر کان سے ٹکرائی اور اپنا اثر چھوڑے بغیر نہ رہ سکی، چنانچہ دو ایک نہیں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ اسلام کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ وہی جگہ جہاں اب سے پہلے قرأت قرآن اور نماز جیسی اہم عبادات کو صحابہ چھپ چھپا کر ادا کر رہے تھے، اب علی الاعلان مسجدوں میں نمازیں ادا ہونے لگیں اور قرآن پڑھا جانے لگا اور اسلام کی گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ اب کسی بھی کافر و منافق کو اتنی جسارت نہیں تھی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک حرف غلط کہہ سکے اور اگر کسی نے اس کی جرأت کی بھی تو اس کا انجام غزوات و سرایا کی شکل میں نمودار ہوا۔

رسول کریم ہزاروں اور لاکھوں صحابہ کے ساتھ بروز جمعہ نویں ذی الحجہ کو مقام عرفات میں ارکان حج ادا فرما رہے تھے، عصر کا وقت ہو چکا تھا کہ یکایک حضرت جبرئیل امین اپنی پوری نیاز مندی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کی تلاوت فرمائی اور پھر تھوڑی دیر بعد صحابہ کرام کے مجمع میں مدنی تاجدار نے برملا تلاوت فرما دی۔ صحابہ نے آیت کی سماعت فرما کر بہجت و سرور کا مظاہرہ فرمایا اور ہر ایک دوسرے کو اس انعام الٰہی پر صحابہ کرام مبارکبادی دینے لگے۔

سوچئے! اس سے زیادہ مسلمانوں کے لئے کون سی خوشی ہو کہ وہ اب دنیا کے سامنے علی الاعلان سر اونچا کر کے یہ کہتا پھرے کہ دین اسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں ہر طرح سے کاملیت ہے کسی طرح کا کوئی نقص اور خامی نہیں ہے اور تمام نعمتوں سے لدا پھندا ہے، نیز رضائے الٰہی بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے اسلام مکمل اور تمام نعمتوں سے لدا پھندا مذہب ہو۔

مگر آپ کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ ان لاکھوں صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق تھے جو مجمع سے غائب کسی کنارے نہایت غمگین نظر آرہے اور نڈھال بنے ہوئے وحشت کا اظہار کر رہے تھے، نہ ان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی اور نہ چہرہ بشرہ ہی اس کی غمازی کر رہا تھا کہ ان پر بھی کوئی خوشی کی لہر آئی ہو۔

صحابہ پریشان ہوئے اور نہایت ہی افسوس کی حالت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار فرمایا۔

"ابو بکر! ہم یہ کیا دیکھ رہے ہیں؟ کیا آپ کو اس کی خوشی نہیں کہ آج پوری مسلم برادری دنیا کے سامنے سر بلند ہو کر یہ کہتے پھرے کہ ہمارے مذہب اسلام میں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے۔

صحابہ کے اس سوال پر حضرت ابو بکر رو پڑے اور فرمایا "اے بھائیو

کیا تمھیں نہیں معلوم کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ہم میں اسی لئے بھیجا تھا کہ وہ مذہب اسلام کی تکمیل فرمادیں اور اب جبکہ اسلام مکمل ہو چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اللہ کے رسول مدنی تاجدار آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں، اب ہم میں وہ نہیں رہیں گے ا صدیق کی آنکھیں اس لئے نہیں رو رہی ہیں کہ وہ اس خوشی میں شریک نہیں ہے بلکہ غم اس کا ہے کہ اب ہمارا محبوب ہم سے رخصت ہو جائے گا۔

مدنی تاجدار حج سے واپس مدینہ تشریف لائے، یہاں تھی لوگوں نے خوشیوں کا مظاہرہ کیا مگر کسے خبر تھی کہ مسلمانوں کی اس خوشی سے کسی کو بے پناہ غم بھی پہنچا ہے اور اب اسلام کی سچائی اور حقانیت کا امتحان لیا جانے والا ہے۔

بارگاہ رسالت میں ایک یہودی حاضر ہوا اور کہا۔ "محمد ابن عبداللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے سنا ہے کہ آپ نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہمارا دین مکمل ہو گیا۔ اس میں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ آپ کے ماننے والے جب نمازیں پڑھتے ہیں تو بسا اوقات نماز میں سہواً کچھ بھول جاتے ہیں جس کی کو سجدۂ سہو سے پورا کیا جاتا ہے، بتلایئے! جس دین میں بھول چوک ہو وہ دین مکمل کیسے کہلائے گا؟"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بغور سماعت فرمایا اور پھر صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ "اس سوال کا جواب تمھیں دینا ہے!!"

اگر آپ پڑھتے پڑھتے اکتا نہ چکے ہوں تو آپ سے یہ عرض کرتا چلوں کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ سائل تو سوال کر رہا ہے نبی آخر الزماں سے اور نبی یہ فرمارہے ہیں کہ ابوبکر اس سوال کا جواب تمھیں دینا ہے! آخر وہ کونسا عقدۂ لاینحل ہے جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج اس پردہ میں حل کرنا چاہتے ہیں۔

تو سنئے! اللہ کے رسول کا یہ کہنا کہ جواب تمھیں دینا ہے اس سے مسئلۂ خلافت کی اس گتھی کو سلجھانا مقصود ہے جو مستقبل قریب میں درپیش ہونے والا تھا۔

صحابہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ تمھیں مسئلہ خلافت میں الجھنا نہیں ہے بلکہ رسول کریم کے اس کردار کی روشنی میں تمھیں اپنے لئے ایک راہ متعین کر لینا ہے کہ جو نبی کی حیات میں نبی کی نیابت وخلافت کر سکتا ہے تو اسے زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نبی کے بعد قومی و ملی مسائل کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق کھڑے ہوئے اور یہودی کو اپنے سوال دہرانے کا حکم فرمایا —— اور پھر یہودی نے من وعن سوال دہرا دیا۔

اب آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال کا تیور ملاحظہ فرمایئے جو یہودی پر قائم کر کے اس کے جواب کا مطالبہ فرمارہے ہیں ——

آبادی سے باہر جنگل میں ایک جھونپڑا ہے جس میں نہ تو کسی طرح کا ساز وسامان ہے اور نہ ہی اس میں کوئی درہم و دینار۔ مگر اسی کے مدمقابل ایک نہایت ہی عالی شان عمارت ہے جس میں درہم و دینار کے علاوہ ہر طرح کے سامان تعیش اور نعمتوں کا انبار ہے۔ اسی درمیان ایک چور چوری کی غرض سے وہاں پہنچتا ہے۔ اب ہمیں یہ بتلایئے کہ چور چوری کہاں کرے گا؟ آیا اس جھونپڑے میں جو بالکل خالی ہے یا اس محل میں جہاں سامان تعیش کا انبار ہی انبار ہے؟

یہودی جواب تک نہایت غور سے حضرت ابوبکر صدیق کا سوال سن رہا تھا جھنجھلا کر جواب دیا کہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ چور چوری کہاں کرے گا؟ چور وہاں گیا ہی اس غرض سے ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ مال ملے۔

اب آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سنئے اور خلیفۂ اول کے علم وآگہی کی داد دیجئے۔ نیز اس کا بالجزم یقین کیجئے کہ گروہ صحابہ میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت اول کا حق پہنچتا تھا تو صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تھی۔

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

صوفی سید ابوالفرح صاحب چشتی
چترہ، ہزاری باغ

کھجور کا درخت

اس سے انکار نہیں کہ جب یہ عالم، عالم ظہور میں آیا تو آگ، پانی، مٹی اور ہوا کے ساتھ ساتھ مختلف النوع حیوانات بیش بہا اور ارزاں ترین جمادات اور بھانت بھانت کے نباتات کی بھی تخلیق ہوئی ـــــــ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی انسانی تاریخ کے اوراق اپنی قدامت پر گواہی دیتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جماداتی اور نباتاتی تاریخی صفحات بھی اپنی کہن سالی پر شاہد ہیں۔

نباتات کی تمام قسموں کے بارے میں کچھ بھی کہنا تو دور کی بات ہے، صرف نام گنانے میں بھی ایک دفتر چاہیئے، اسلئے مختصر طور پر صرف اتنا سا کہنا کافی ہوگا کہ نباتات میں بعض ایسے ہیں جو پھولوں اور پھلوں سے لدے پڑے ہیں، بعض ایسے ہیں جنھیں درخت بے ثمر کہا جاتا ہے لیکن ان کے پھولوں کی خوشبو دل و دماغ کو سرمست و بے خود بنائے ڈالتی اور روح میں فرحت و انبساط پیدا کرتی رہتی ہے ـــــ اور بعض ایسے کہ پھلوں کیا، پھولوں سے بھی بے نیاز! اور صرف پتوں کے بل بوتے پر اپنے حسن کے موتی لٹاتے اور دیدۂ بینا کو محو حیرت بنائے رکھتے ہیں!

سارے نباتات میں ایک چیز قابل مشترک ہے اور وہ یہ کہ جب انہیں لوہے کے بنے بھاری یا ہلکے اوزار، لکڑی یا پتھر سے ذرا بھی خراش لگتی ہے تو بے اختیار رو پڑتے ہیں اور آنسوؤں کی لڑیاں جھڑنے لگتی ہیں ـــ مگر ہاں! بعض نباتات ایسے ضرور ہیں کہ جب ان پر تیز اوزاروں کی گہری ضرب پڑتی ہے تو ان کے آنسوؤں کے چھوٹے چھوٹے اور گورے گورے قطرے موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جنھیں انسان اپنی فطری دانائی سے چھوٹے بڑے برتنوں میں جمع کرتا اور ان سے ضروریات زندگی کی صف میں رکھے جانے والے لوازمات عیش کے سامان تیار کرتا اور بعض بعض مواقع پر اسے اپنی زندگی کو تھوڑی دیر کے لئے پرسکون بنانے کا ایک ذریعہ سمجھ کر خود پیتا اور دوسروں کو پلاتا ہے۔ ـــــــ

ہم دنیا کے جس حصہ میں بھی قدم رکھتے ہیں ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا خطہ ملتا ہے جہاں نباتاتی فہرست میں آنے والی کھجور نہ ہو۔ ہندوستان جنت نشان کے کشمیر بہشت نظیر کی سرسبز وادی ہو یا برفیلے ہیروں سے ڈھکے ہمالیہ کی ترائی ہو یا ایران کی پربہار اور گلزار زمین ہو یا عرب کے تپتے اور ریتیلے میدان ہوں یا افریقہ کا مشہور عالم صحرائے اعظم ہو، کھجوروں سے خالی نہیں ـــــ !

اب یہ اور بات ہے کہ موسموں کے فرق اور ہوا کے اختلاف کی وجہ سے ایک جگہ کی کھجوروں کی حلاوت، لطافت اور حرارت دوسری جگہ کی کھجوروں سے نہ مل سکے مگر ہیں وہ بھی کھجوریں!

دنیا کے بعض حصوں میں تو اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اور کمال یہ ہے کہ ہر ایک ایک دوسرے سے الگ اور بالکل جداگانہ! نہ رنگ و روپ میں میل، نہ نزاکت اور حلاوت میں مطابقت، اور نہ مزہ میں یکسانیت! ـــــ حد تو یہ کہ ایک کھجور ایسی بھی ہوتی ہے جس میں گٹھلی کے بدلے ذرا لمبے چاول کے برابر ہلکے بادامی رنگ کا ہلکا سا زرگل ہوتا ہے! ایک کھجور ایسی کہ گرم گرم روٹیوں پر رکھ دی جائے تو پلک جھپکتے ہی شہد کی نہر کی طرح بہہ جائے! اور جانتے ہیں؟ یہ رنگ برنگی اور عجیب و غریب کھجوریں ہمارے پڑوسی ملک عرب میں ہی پائی جاتی ہیں۔

عام طور سے کھجور کے درختوں کی عمر کا اندازہ جو لگایا گیا ہے زیادہ سے زیادہ سو برس کی مدت ہوتی ہے، اور پچاس ساٹھ سالوں کے بعد کھجور کے درخت میں بھی وہی سارے آثار پائے جاتے ہیں جن سے اولاد آدم کو ایام کہولت میں واسطہ پڑتا ہے اور جیسے اولاد آدم اس عمر میں کام کاج سے معذور اور عمل و حرکت سے مجبور ہو کر اتنی نحیف و نزار ہو جاتی ہے کہ ایک ذراسی ٹھیس لگتی ہے اور اس کی شمع حیات گل ہو جاتی ہے! ٹھیک اسی طرح کھجور کا بوڑھا درخت ہوا کے تیز جھونکوں کو سہنے کی اپنے میں سکت نہیں پاتا اور چشم زدن میں خاک میں مل جاتا ہے۔

لیکن میں اپنے ایک مخلص دوست حکیم حاجی عبدالحلیم ہاشمی کی عینی شہادت پر پوری ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں ایسی بھی کھجوریں ہیں جن کی عمر سو برس ہی نہیں، ہزاروں برس ہو سکتی ہے ———

اب آپ آیئے اور ذرا تصور کی دنیا میں میرے ساتھ چلیئے! وہ دیکھیئے سامنے عرب کا تپتا ہوا اور بلوا ہا میدان ہے، اور وہ جو چھوٹے چھوٹے، سوکھے سوکھے اور گھنے پودے دکھائی دے رہے ہیں، وہ ببول کے درخت ہیں، جنھیں ان کے سامنے کھڑی دکھائی دینے والی بکریاں اور یہ سامنے سے جاتے ہوئے ڈیل ڈول اونٹ بڑے شوق سے کھاتے ہیں، اور وہ دیکھیئے کھجوروں کے لمبے لمبے درخت جن میں شاخیں ہیں! ...... آپ ٹھٹھک کیوں گئے؟ آپ کو یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ کھجوریں ہیں تو کھجوروں میں شاخیں کہاں سے؟ ——— میرے بھائی! عرب کی کھجوروں میں عام کھجوروں سے یہی تو فرق ہے کہ ان میں شاخیں ہوتی ہیں۔ اور دیکھئے! ساری کھجوریں ایک ہی طرح کی معلوم ہو رہی ہیں! مگر یہاں سے کچھ دوری پر وہ جو سامنے والی کھجور ہے، اس کا پھل سیاہی مائل ہوتا ہے اور یہ جو آپ کی داہنی جانب ہے اس کا پھل دیکھنے میں تو چھوٹا ہوتا ہے مگر اس میں گٹھلی نہیں۔ اب ذرا قدم تیز بڑھایئے تاکہ وہ جو باغبان دکھائی دے رہا ہے اس سے کچھ باتیں پوچھ لی جائیں: ——— یہ کون سا باغ ہے؟ اور اس میں یہ دو درخت گھرے ہوئے کیوں ہیں؟" ———

"یہ حضرت سلمان فارسی کا باغ ہے اور وہ احتراماً گھرے ہوئے ہیں"۔ ———

"اس کا مطلب؟" ———

"حضور رسول مقبول کے دست مبارک سے نصب کئے ہوئے ہیں"۔ ———

اللہ! اللہ!! گویا حضور کے زندہ معجزات میں ایک یہ بھی ہے اور غالباً اسی لئے حضرت جامی نے فرمایا ہے ؎

نخل بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام

"بے شک!" ——— اور اب وہ دیکھیئے مسجد نبوی کا سبز گنبد! جہاں ایک سے ایک منقش پودے اور زرنگار ستون ہیں، لیکن چودہ سو سال پہلے یہاں اسی کھجور کا ایک ستون تھا جس پر آقائے دو جہاں ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور لوگوں کا خاکی جسم اس خطیب وحدہٗ لاشریک کی خطابت سے نور کے سانچے میں ڈھلتا جاتا تھا ———

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

بقیہ صفحہ ۱۳ سے آگے (تکمیل دین)

یہودی! سنو، اسلام کی مثال بالکل اس بھری ہوئی عمارت جیسی ہے جس میں ہر طرح کی نعمتیں موجود ہیں جس طرح چور جھونپڑی میں نہ جا کر محل میں چوری کرتا ہے۔ اسی طرح شیطان جب دیکھتا ہے کہ دنیا کے تمام ادیان و مذاہب بالکل خالی ہی خالی ہیں تو اسلام کی طرف رُخ کرتا ہے اور جہاں کہیں موقع پاتا ہے اس پر حملہ آور ہوتا ہے چنانچہ سجدۂ سہو بھی شیطان کی در اندازی کا نتیجہ ہے۔

غرضیکہ مسلمانوں کو قرآنی طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ببانگ دہل پوری دنیا سے یہ کہتے پھرے کہ ہمارا اور صرف ہمارا مذہب کامل و مکمل اور صبح قیامت تک کے لئے لائحہ عمل اس میں موجود ہے●

مولانا قمر الدین صاحب بہاری

درسگاہِ نبوت کے تربیت یافتہ

تمام دنیا کے انسانیت پر پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی یہ عظیم رحمت ہے کہ آپ نے ارشادِ ربانی ولقد کرمنا بنی ادم (اور بیشک ہم نے اولاد آدم کو عزت عطا فرمائی) سنا کر انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا اعلان فرمایا۔ تعلیم اسلام سے پہلے انسان کے احساس کمتری کا یہ عالم تھا کہ کبھی اسکا سر بلند پہاڑوں، سرسبز درختوں، بہتے دریاؤں اور آگ کے شعلوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا اور کبھی خوفناک درندوں، بھیانک صورتوں اور چمکتے تاروں کے سامنے جبین عقیدت جھک جاتا تھا عرب کے رہنے والے اپنی اس پست ذہنیت کا مظاہرہ خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں کو اپنا معبود جان کر کیا کرتے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس زمانہ کی کوئی قباحت اور کوئی عیب ایسا نہ تھا جو ان میں نہ پایا جاتا ہو۔

بتوں کے نام پر انسان کی قربانی، باپ کی منکوحہ بیویوں کا بیٹوں میں بطور وراثت تقسیم ہونا، قمار بازی، شراب خوری، حقیقی بہنوں سے بیک وقت نکاح کرنا، فحاشی و بے حیائی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور اس سے بڑھ کر معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنا، لڑائی کے موقع پر انسانی جانوں کو زندہ جلا دینا شب و روز کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ یہ عالمگیر بربریت و وحشت کچھ حجاز کے رہنے والوں ہی کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ دنیا کے دوسرے گوشے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

ایسے تاریک ماحول اور مکدر فضا میں انقلاب پیدا کرنے کیلئے اس معصوم نبی کا انتخاب ہوا جس نے اپنوں کے ظلم سہہ کر اور بیگانوں کے تیر کھا کر اپنی پاکیزہ تعلیم و تربیت کا آغاز فرمانے کے لئے اس عظیم درس گاہ کا سنگ بنیاد رکھا، جہاں حبشہ کے بلال جیسے غریب سے لیکر عبد الرحمن ابن عوف اور سعد بن زبیر جیسے متمول لوگ ایک ہی چٹائی پر بیٹھ کر کسب فیض کیا کرتے تھے۔

بزم کائنات کی یہی وہ انوکھی تعلیم گاہ تھی، جہاں نہ نسلی امتیاز تھا اور نہ رنگ و روپ کا سوال تھا۔ نہ ذات پات کی بیجا تقسیم تھی اور نہ ملکی و وطنی عصبیت کا جذبہ تھا بلکہ اس کا دروازہ دنیا کی تمام قوموں اور تمام ملکوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سب سے پہلے یہ بتایا کہ آسمان کی بلند و بالا چیزیں ہوں یا کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی مخلوق ہو یہ سب تمہارے لئے ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔

(اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے پیدا فرمایا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وسخر لکم اللیل و النهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره۔

(یعنی اللہ تعالیٰ نے رات اور دن، سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر فرما دیا اور ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر کر دیئے گئے)

قرآن کریم کے ان واضح ارشادات نے انسان کی آنکھوں پر پڑا ہوا دبیز پردہ اٹھا دیا اور اس کی عقل و خرد نے اپنی کم نظری و تنگ خیالی کو محسوس کر لیا۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تعلیم و تربیت نے جہاں اس حقیقت کو بے نقاب کیا وہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی سکھایا کہ تمام کائنات کا مقصود تمہارا وجود ہے اور تمہاری پیدائش کا عظیم منشا خالق کائنات کی عبادت اور تمہاری سجدہ و اطاعت شعاری کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون۔

جن اور انسان کی پیدائش کا مقصد عبادت الٰہی ہے۔

اسلام کی اسی تعلیم کا اثر یہ تھا کہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عقیدۂ توحید و رسالت کو اپنی زندگی کا راس المال سمجھتے تھے اور ان کو دنیا کی کوئی قوت اس عقیدے سے نہ پھیر سکی۔

اسلام کے ابتدائی دور میں بعض صحابہ کرام سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھے اور ان کی غربت و افلاس کی وجہ سے مخالفین اسلام نے اپنی دولت و ثروت کا لالچ دے کر ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن صحبت نبوی میں اسلامی تعلیمات کا جو رنگ چڑھا تھا وہ اترنا تو درکنار، بلکہ ان کی قوت ایمانی نے اس قسم کی بڑی سے بڑی پیش کش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ ایک بار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی سے (جن کا نام حضرت کعب ابن مالک تھا) غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بنا پر ناراض ہو گئے، اور تمام صحابہ کرام نے ان سے نہ صرف تعلق قطع کر لیا، بلکہ سلام و کلام بھی ترک کر دیا۔ حضور کے اس حکمت آمیز طرز عمل اور صحابہ کرام کی کشیدگی نے حضرت کعب ابن مالک کو سخت ہراساں کر دیا۔

اس واقعہ کی خبر دور دور تک پھیل گئی اور مخالفین اسلام نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ چنانچہ شاہ غسان نے ایک خط حضرت کعب ابن مالک کے نام بھیجا جس میں تحریر تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کیا ہے لیکن خدا تم کو ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں نہ رہنے دے گا۔ تم فوراً ہم سے آکر ملاقات کرو ہم اپنی دولت کے ذریعہ تمہاری مدد کریں گے۔

اس خط کا مضمون ایک ضعیف الایمان کا دل ڈانوا ڈول کر سکتا تھا لیکن حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط پڑھ کر نذر آتش کر دیا اور بڑی حسرت سے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب کفار میری پریشان حالی کو دیکھکر لالچ بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

یہ تھا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا اثر ان عرب کے باشندوں پر جو سالہا سال سے کسی پاکیزہ حکمت اور الہامی تعلیم سے محروم تھے۔

اب آیئے اور ان فرزندان اسلام کی زندگی کا جائزہ لیجئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے تعلقات قطع کر لیئے تھے بلکہ یوں کہیئے کہ ان کا ہر قسم کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوتا تھا اور اگر ان میں سے کوئی چیز رضائے الٰہی حاصل کرنے میں رکاوٹ ڈالدیتی تو وہ اس چیز سے تعلق منقطع کرنا پسند کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی مشرک ماں نے قسم کھاکر اعلان کر دیا کہ جب تک میرا بیٹا اسلام نہ چھوڑے گا اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی اور نہ سعد ابن وقاص سے بات کروں گی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی قسم پوری کی۔ یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں وہ بیہوش ہو گئیں لیکن اس واقعہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ انھوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہدیا کہ اگر تمہارے جسم میں ہزار جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکل جائے تب بھی میں اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔

تعلیمات نبویہ پر استقامت اور احکام اسلام پر عمل کرنے کا بے پناہ جذبہ نہ صرف مردوں کے ساتھ مخصوص تھا بلکہ خواتین بھی اس معرکہ امتحان میں ثابت قدم رہیں اور انھوں نے بھی کسی موقعہ پر اپنے دامن عمل کو داغدار نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمار کی والدہ کو (جن کا نام سمیہ تھا) محض اس بنا پر کہ وہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ کفار نے ان کو جھلسا دینے والی دھوپ میں لٹا رکھا تھا۔ اسی حالت میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس طرف گزر ہوا۔ آپ نے ان کو دیکھکر فرمایا "صبر کرو تمھارا ٹھکانہ جنت ہے"۔ ابو جہل یہ بات سن کر بھڑک اٹھا اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا۔ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت پانے والی یہی خاتون تھیں۔

جب کفار مکہ کی سختیاں انتہا کو پہونچیں اور ان کو احکام نبویہ پر عمل کرنے میں دشواریاں پیش آنے لگیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشورے سے مسلمانوں کا ایک مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہو گیا۔ قریش کو بھلا یہ کیسے گوارا ہوتا کہ مسلمان اطمینان سے حبشہ میں رہ سکیں، انھوں نے اپنا ایک وفد نجاشی شاہ حبشہ کے پاس بہت سے

تحفے دے کر روانہ کیا اور نجاشی کے دربار میں حاضری سے قبل دربار کے وزراء اور عمال کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ شاہ حبش کو مکہ کے ان مصیبت زدہ مسلمانوں کو اپنی قلمرو سے نکل جانے کا حکم دلانے میں مدد کریں۔

چنانچہ اس کارروائی کے بعد دربار شاہی میں یہ تحریری درخواست پیش کی کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نئے مذہب کو قبول کر لیا ہے لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ درباری وزراء نے تائید کی۔ نجاشی نے جواب دیا کہ جب تک میں خود تحقیق نہ کر لوں اسوقت تک ان پناہ گزینوں کو تمہارے حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ نجاشی نے خود اپنے دربار میں مسلمانوں کو بلایا اور مسلمانوں نے بالاتفاق طے کر لیا کہ جو بات دریافت کی جائے اس کا صحیح جواب دیا جائے اور اس کام کیلئے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب کیا گیا۔

چنانچہ مسلمان جیسے ہی عام دربار میں پہنچے، شاہ حبش نے دریافت کیا کہ "تم نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر کونسا نیا دین اختیار کر لیا ہے؟"

حضرت جعفر نے کھڑے ہو کر جواب دیا:

"اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجنا، مردار کھانا، قطع رحم کرنا، فواحش میں مبتلا رہنا، پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ کرنا، کمزور کو دبانا، ہمارا شیوہ تھا۔ اب ہم میں خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا، جس نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد و برتر کی عبادت کرنے، سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، حرام باتوں اور خوں ریزی سے بچنے، فواحش سے پرہیز کرنے، پڑوسیوں اور کمزوروں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا حکم دیا۔

ہمارے نبی نے نماز روزہ اور زکوٰۃ کی پابندی کرنے اور یتیموں کا مال نہ کھانے اور عورتوں کی آبرو ریزی نہ کرنے کا حکم دیا۔

اے بادشاہ! جب سے ہم نے اپنے نبی کی اس تعلیم پر عمل کرنا شروع کیا، اسی وقت سے ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی"۔

نجاشی نے کہا کہ "کیا تم کو خدا کا کلام یاد ہے اور تم کچھ سنا سکتے ہو ——"۔ حضرت جعفر نے سورہ کہیعص کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، جس کو سنکر شاہ حبش اور اس کے درباری رونے لگے —— نجاشی نے سنکر کہا کہ "یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں"۔

مکہ کے وفد نے اپنی ناکامی دیکھ کر دوسرے دن بادشاہ سے کہا کہ "یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلط عقیدہ رکھتے ہیں آپ بلاکر دریافت کیجئے"۔

چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "قرآنی تعلیم کی رو سے وہ خدا کے بندے اس کے رسول اور روح اللہ ہیں"۔ نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا۔ کہ "جو کچھ تم کہتے ہو حضرت عیسیٰ اس تنکے کی برابر بھی اس سے زیادہ نہیں تھے"۔

قریش کی یہ سفارت ناکام ہو گئی اور تعلیمات نبویہ کے یہ ابدی نقوش رہتی دنیا تک باقی رہیں گے!

نعتیں

جناب آرزو سہارنپوری

ازل سے ہی محمدؐ کی ثنا خواں ہے زباں میری
بیاضِ صبحِ ہستی پر لکھی ہے داستاں میری

ترے محبوب کی مدح و ثنا مقصود ہے مجھکو
دُھلا دے آبِ کوثر سے کوئی یارب زباں میری

غلامِ حضرتِ خیر الوریٰ ہوں، کیا نہیں میرا
فضائے لامکاں میری، بساطِ کن فکاں میری

کوئی آساں نہیں عشقِ محمدؐ میں قدم رکھنا
ہزاروں بار میرے جسم سے نکلی ہے جاں میری

مرے ہر حرف سے ٹپکے گی بو عشقِ محمدؐ کی
فرشتے حشر میں دُہرائیں گے جب داستاں میری

کچھ ایسا کھو گیا ہوں نشۂ توحیدِ مطلق میں
مجھے خود بھی نہیں معلوم نظریں ہیں کہاں میری

مرے اجزائے ہستی زینتِ بزمِ تجلی ہیں
میں ایسا ہوں کہ مٹی بھی نہیں ہے رائیگاں میری

مدینے کی ہر اک شے کو نظر سے سجدے کرتا ہوں
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ منزل ہے یہاں میری

مرے اشعار میں اے آرزو رنگِ فصاحت ہے
بہت کچھ حضرتِ حسّاں سے ملتی ہے زباں میری

جناب عرفان الٰہ آبادی

وہ پرتو نقشِ قدمِ سرورِ دیں ہے
روشن جو فلک پر مہ و انجم کی جبیں ہے

طیبہ میں جو آرام گہِ سرورِ دیں ہے
رتبے میں سوا عرش سے وہ پاک جبیں ہے

پروازِ تخیل بھی مری اتنی حسیں ہے
جو در نعتِ محبوبِ خدا ہادیٔ دیں ہے

اے فیضِ تصور ترے اعجاز کے صدقے
ہے صبح یہاں روح مدینے کے قریں ہے

کس طرح لکھوں نعتِ شہنشاہِ دو عالم
شایانِ نبی لفظ کوئی پاس نہیں ہے

عرفان یہاں ہر ذرہ ہے گلدستۂ معنی
طیبہ کی زمیں نازشِ فردوسِ بریں ہے

غزل

جناب پیارے محمد تسلیم بالاپوری

دل نامراد میں کیوں کہوں ترے غم سے زیست خراب ہے
میری سرگرانیٔ زندگی بھی خمارِ لذتِ خواب ہے
زہے بختِ محفلِ یار میں، میں ہوں اور جامِ شراب ہے
یہ مزید لطف کی بات ہے کہ رقیب جل کے کباب ہے
جو شکستہ ہے وہ شکستہ ہے کوئی اور لاؤں کہاں سے دل
اسے آپ رہنے بھی دیجئے جو خراب ہے سو خراب ہے
وہ دکھا رہے ہیں مجھے ادا تو بلا رہے ہیں مری قضا
وہ سمندِ ناز پہ آئے ہیں، مری روح پا بہ رکاب ہے
پسِ مرگ دادِ وفا ملی مجھے زندگی کا صلہ ملا
مجھے وہ بھی کہتے ہیں باوفا جو سمجھ رہے تھے خراب ہے

جناب قمر سلیمانی کانپوری

کنزِ مخفی کے اسرار کھلنے لگے کھل گیا رحمتوں کا مہکتا چمن
صبح کی گود میں جگمگانے لگی آفتابِ رسالت کی پہلی کرن

اللہ اللہ یہ صورت کی حیرت گری اللہ اللہ جلووں کی یہ دلکشی
حسن نورٌ علیٰ نور کا آئینہ روئے روشن قمر زلف مشکِ ختن

ہر نظر میں تجلیٔ عرشِ بریں، ہر نفس محوِ تسبیح ربُ العُلیٰ
لب سے تہلیل و تحمید کی بارشیں ہر ادا اپنی مرکز پہ اک انجمن

محوِ دیدار ہے چشمِ معنیٰ نگر، کیا بتائے کوئی شانِ خیرالبشر
نور کا چہرہ ہے نور کی ہے جبیں، نور کا جسم ہے نور کا پیرہن

دستِ قدرت کی گلکاریاں دیکھئے شانِ رحمت کی فیاضیاں دیکھئے
ایک ہی نقش میں جلوہ افروز ہے دلکشی، دلبری، سادگی، بانکپن

چوم کر اس درِ پاک کو اے قمر نعتِ اقدس سناؤں گا میں جھوم کر
ہند کی سرزمیں سے عرب کی طرف لے چلے تو مجھے میرا دیوانہ پن

حضرت مولانا شریف الحق صاحب امجدی اعظمی

بابُ الاستفتاء

مسئولہ جناب مولانا غلام مصطفےٰ صاحب وارثی مدظلہ
چمن گنج کان پور

سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں
کہ ملک میں اکثر ابر چھایا ہوا رہتا ہے لہٰذا چاند دکھائی دینا مشکل ہو جاتا ہے یا مطلع صاف تھا مگر چاند نہیں دکھائی دیا، ایسی صورت حال میں اطراف سے آئی ہوئی، تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبروں پر رمضان شریف کے روزے رکھنا اور عید منانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب - رویت ہلال کے بارے میں تار، ٹیلیفون، ٹیلی ویژن ریڈیو، لاسلکی ٹرانسمیٹر وغیرہ کی خبریں بالکلیہ ناکافی اور غیر معتبر۔ خواہ مطلع صاف ہو، خواہ ابر یا غبار آلود، خواہ رمضان کا چاند ہو، خواہ عیدین وغیرہ کا۔ اس لئے کہ ایک غیر شرعی معاملہ ہے۔ اس کے لئے شریعت نے کچھ طریقے متعین فرما دیئے ہیں، جب انھیں طریقوں سے اس کا ثبوت ہو گا تو معتبر ورنہ غیر معتبر۔ اور یہ طریقے مندرجہ ذیل ہیں۔

جب مطلع صاف ہو تو اتنی بڑی جماعت کی خبر معتبر ہو گی جن کی تعداد اتنی ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو، عامہ کتب فقہ میں ہے وقبل بلا علة جمع عظیم یقع العلم الشرعی بخبرہم۔ درمختار۔ شامی میں اس کے تحت ہے۔ ان الشرط القبول عند عدم علة فی السماء لهلال الصوم او الفطر او لغیرهما۔ اخبار جمع عظیم۔ جب آسمان صاف ہو تو اتنی بڑی جماعت کی بات مانی جائے گی جن کی خبر علم شرعی ہو جائے خواہ رمضان کا ہلال ہو یا فطر کا یا اور کوئی، اگر مطلع صاف نہیں، ابر یا غبار آلود ہے تو رمضان میں ایک مستور الحال مسلمان کی خبر کافی ہے۔ مستور الحال سے مراد وہ ہے جس کا فسق و فجور معلوم نہ ہو۔ فاسق کی خبر کیا بلکہ شہادت بھی یہاں معتبر نہیں۔ مستور کی خبر اسی وقت معتبر ہے جب کہ خود اگر بیان کرے۔ درمختار میں ہے قبل للصوم مع علة وغیم و غبار خبر عدل او مستور لا فاسق اتفاقا۔ جب آسمان صاف نہ ہو ابر یا غبار آلود ہو تو روزے کے لئے ایک عادل یا مستور کی خبر قبول کی جائے، فاسق کی خبر یہاں بھی بالاتفاق نہیں قبول کی جائے گی۔ رمضان کے علاوہ عیدین وغیرہ بقیہ مہینوں کے لئے مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت شرعیہ شرط ہے، جو سب کے سب عادل متدین ہوں۔ درمختار میں ہے۔ وشرط للفطر مع العلة العدالة ونصاب الشهادة ولفظ اشهد وهلال الاضحى وبقية الاشهر التسعة كالفطر۔ عیدین اور بقیہ مہینوں کے ثبوت کے لئے مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں گواہوں کا عادل ہونا بقدر نصاب ہونا اور یہ کہنا کہ میں گواہی دیتا ہوں، شرط ہے، رمضان عیدین وغیرہ سب کے ثبوت کے لئے ایک صورت استفاضہ ہے۔

استفاضہ یہ ہے کہ دوسرے شہر سے متعدد جماعتیں یکے بعد دیگرے آئیں اور بتائیں کہ وہاں لوگوں نے چاند دیکھا ہے، اور

لوگوں نے چاند دیکھکر روزہ رکھا ہے۔ اسی میں ہے۔
لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری لزمھم۔ شامی میں ہے۔ قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلدة جماعات متعددة انھم صاموا عن رؤیة لا مجرد الشیوع من غیر علم لمن اشاعه۔ اگر دوسرے شہر سے خبر استفاضہ کے ساتھ آئے تو معتبر ہے اور استفاضہ یہ ہے کہ دوسرے شہر سے متعدد جماعتیں آئیں جن میں سے ہر ایک یہ خبر دے کہ اس شہر والوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، محض شہر کا مشہور ہو جانا کافی نہیں۔ ان کے علاوہ چاند کے ثبوت کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ ان طریقوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد ہر ذی فہم پر روشن ہو جائے گا کہ تار، ریڈیو، ٹیلیفون ٹیلی وژن وغیرہ کی خبریں ان میں سے کوئی کسی ایک میں داخل نہیں، اوّلاً تو یہ کہ ریڈیو وغیرہ پر خبر دینے والے عموماً غیر مسلم ہوتے ہیں۔ مسلمان ہوتے بھی ہیں تو فساق یا مجہول الحال اور غیر مسلم اور فساق و مجہول الحال کی خبر تو خبر شہادت تک کا غیر معتبر ہونا سب کو معلوم ہے۔ ثانیاً یہ خود چاند دیکھتے نہیں، بلکہ ان کے ایجنٹ اپنے طور پر جو خبر مہیا کرتے ہیں اسے نشر کرتے ہیں اور جس نے خود چاند نہ دیکھا اس کی خبر تو خبر شہادت بھی یہاں مردود جبکہ وہ شاہد علیٰ الشاہدہ نہ ہو یا شاہد علیٰ قضاء القاضی نہ ہوں اور ٹیلیفون وغیرہ میں ان دونوں صورتوں کا منتفی ہونا سب کو معلوم ہے۔ اسی میں ہے۔ لا لو شھدوا برؤیة غیرھم لانه حکایة۔ اگر دوسرے کے چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو غیر معتبر، اسلئے کہ یہ حکایت ہے۔ ثالثاً ان ذرائع سے خبر دینے والا بہر حال ایک ہوتا ہے اور تنہا ایک کی خبر تو خبر شہادت بھی رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں نامعقول اگرچہ وہ عادل ہو چہ جائیکہ کافر ہو فاسق ہو مجہول الحال ہو۔ رمضان میں ایک شخص کی خبر معتبر ہے تو اس کی جس نے خود چاند دیکھا ہو اور وہ عادل ہو یا کم از کم مستور مجہول الحال۔ کافر یا فاسق کی خبر رمضان میں بھی مردود، اور جس نے چاند خود نہ دیکھا ہو اس کی خبر بہر حال مردود اگرچہ مسلمان ہو عادل ہو سو آئیں۔ خبر دینے والا خود نہیں آیا بلکہ مشینوں پر بولتا ہے اور مشینوں ہی کے ذریعہ بتایا جاتا ہے اور در بارہ رویت رمضان میں خبر یا شہادت اور دوسرے مہینوں میں شہادت انھیں کی معتبر جو خود آکر خبر دیں یا شہادت دیں۔ میلوں کے فاصلوں سے ہوا کے دوش پر مشینری سے بھیجی ہوئی خبر کسی حالت میں در بارہ ہلال معتبر نہیں۔

مدنی تاجدار کے ..... کا بقیہ صفحہ ۱۰ سے آگے

رسول نے فرمایا تھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کے محبوب بندے بن جاؤ تو ہماری اتباع کر لو۔ ہر ہر قدم حکم خدا پر اٹھانا۔ نگاہیں اٹھنے سے پہلے محمد رسول اللہ کی تریسٹھ سالہ زندگی دیکھ لینا، تمہارے تعلقات بیوی سے ایسے ہوں جیسے محمد رسول اللہ کے تعلقات حضرت خدیجہ، عائشہ، صفیہ وغیرہ کے تھے، اولاد کی پرورش اس طرح کرو، جس طرح زینب، فاطمہ وغیرہما کی پرورش ہوئی، نواسے کو اس لاڈ و پیار سے رکھو، جس طرح حضرت حسنین کو ان کے نانا رکھا کرتے تھے۔ اولاد کی موت پر اس طرح صبر کرنا جس طرح قاسم و عبداللہ کے انتقال پر ان کے والد نے صبر کیا۔ خسر کے ساتھ ایسا طریقہ اختیار کر جس طرح ابوبکر و عمر سے ان کے داماد کرتے تھے، داماد سے اس طرح پیش آؤ جس طرح عثمان و علی سے اُن کے خسر پیش آئے تھے۔ مگر آج کے انسانوں نے طریق مصطفیٰ کو چھوڑ کر اغیار کے طریق کار کو اپنا لیا ہے

طریق مصطفیٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

جناب مولانا محمد قاسم صاحب، مظفر پور

اعضائے انسانی میں زبان کا مقام

اعضائے انسانی میں زبان کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ یہ قلبی کیفیات کی ترجمان اور ذہنی احساسات و جسمانی واردات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ مفلوج ہو جائے تو انسان اظہار مدعا پر قابو نہیں پا سکتا۔ اسی کے سہارے فکر و شعور کی نمائش کیجاتی ہے، حُسنِ انجمن کو دوبالا کیا جاتا ہے، بزم جاناں سجائی جاتی ہے، لطافت و ظرافت کے شگوفے کھلتے ہیں، پژمردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور غم و آلام سے مرجھایا ہوا چہرہ شاداب کلی کی طرح نکھر اُٹھتا ہے۔

رونق مجلس ہے یہ، زینت چمن انسانیت ہے یہ۔ یہ زندگی کے خیابانوں کو بہاریں عطا کرتی ہے، ویرانوں کو آباد کرتی ہے، رہزنوں کو راہنما اور مریضوں کو مسیحا بنا دیتی ہے۔

نبی کے منھ میں ہو تو کنکریوں سے کلمہ پڑھوا لیتی ہے، گونگوں کو گویا اور بہروں کو شنوا بنا دیتی ہے، کھاری کنوئیں اس کے دامن تر قطروں سے شیریں ہو جاتے ہیں، رستا ہوا زخم صحتیاب ہو جاتا ہے، گئی ہوئی روشنیاں عود کر آتی ہیں، اس کی حرکت پر نظام کائنات حرکت کرتا ہے، اس کے سکون پر گردش دوران قربان ہوتی ہے۔

ابوبکر صدیق کے منھ میں رہ کر صدق و صفا کا چمن آباد کرتی ہے تو فاروق اعظم کے حلقہ دہان میں رہ کر حق و باطل کے درمیان خط فاصل کھینچ دیتی ہے، عثمان غنی کی زبان سے ایمان حیا کی شراب ٹپکتی ہے تو مولائے کائنات حضرت علی کی زبان فیض ترجمان سے حکمت کے موتی برستے ہیں، جن سے کائنات کی گرہیں کھلتی ہیں۔ حق کا سورج نکھرے ہوئے سونے کی طرح صاف و شفاف نظر آنے لگتا ہے۔

پھر یہ تو اس کی نطق کے محاسن ہیں، اس میں ایک دوسری قوت بھی ہے جسے ہم قوت ذائقہ کا نام دیتے ہیں۔ یہ چیزوں کا کھٹا، میٹھا، کڑوا، پھیکا، بدمزہ، بے مزہ ہونا بتاتی ہے۔ اگر ماکولات و مشروبات میں ان تفتیشات کو بالائے طاق رکھدیا جائے تو بسا اوقات انسان زہر کو قند اور تیزاب کو پانی سمجھ کر کھا پی لیگا جس کی وجہ سے اس کی زندگی مصائب کا شکار ہو کر رہ جائیگی۔

یہ محاسن کی معمولی فہرست ہے جس سے اس جرم صغیر کی عظمتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہے جو یقیناً دیدہ زیب اور لائقِ صد تحسین ہے، دوسرا رخ جو انتہائی بھیانک اور لرزہ خیز ہے وہ یہ ہے کہ اس کے معائب کی فہرست بھی بہت لمبی چوڑی ہے، اور اس کے ذریعہ بنی نوع انسان پر آنے والے آفات بھی حد شمار سے باہر ہیں۔ اگر ان سے دامن نہ بچایا جائے تو یہی زبان جو بہت ساری خوبیوں کی جامع ہے۔ بہت ساری برائیوں کا مرکز و مصدر بن جاتی ہے۔ زندگی کو زبان پہنچتا ہے آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں، زمین شر و فساد کا گہوارہ بن جاتی ہے، امن ناپید ہو جاتا ہے، فضا آہوں اور دل دوز ہچکیوں سے اٹ جاتی ہے اور پھر ایسی آبادیاں قہر الٰہی کی زد پر آجاتی ہیں، خدائے قدیر کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے۔ حفظنا اللّٰہ تعالیٰ من شرورہ، مراء، جدال، خصومت، فحش، سبت، غیبت، لعن، سخرہ، استہزاء، مزاح، کذب، نمیمہ یہ سارے کس کے عوارض ہیں، زبان ہی کے تو! جو نہ صرف دنیوی بلکہ اُخروی زندگی کو تباہ و برباد کر دینے کے لئے کافی و وافی ہیں۔ سچ فرمایا معلم کائنات محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے مَنْ یَتَکَفَّلْ لِی بِمَا بَیْنَ لِحَیَیْہِ وَ

تجلیہ اتکفل لہ بالجنتہ (جو اپنی زبان اور عضوِ مخصوص پر کنٹرول کرلے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں)

نبی سیف زبان ہوتے ہیں، ان کی ہر بات کذب و خطا اور جمیع معائب سے پاک ہوتی ہے، اس لئے ان کی باتوں سے شر و فساد کا امکان ختم ہوجاتا ہے، وہ عالم کے لئے مصلح بنکر تشریف لاتے ہیں اور ان کی زبان سے صرف اصلاحی پیغامات نشر ہوتے ہیں، رب نے انھیں معصوم بنایا ہے مگر عام انسانوں میں یہ عصمت محفوظ نہیں، خطا و لغزش کا امکان باقی رہتا ہے، اس لئے شرع مطہرہ نے اس کے لئے حدیں مقرر کردی ہیں، خط تمیز کھینچ دی گئی ہے۔ اگر انسان ان دائروں میں رہ کر زبان کو کام میں لاتا ہے تو اس سے اس کی انفرادی و مدنی زندگی میں نمایاں خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں، ماحول پاکیزہ ہوجاتا ہے، دنیا میں امن پھیلتا ہے اور جب ان حدوں سے متجاوز ہوجاتا ہے تو مادر گیتی پر خون خرابہ ہونا شروع ہوجاتا ہے، زندگیاں تباہ و برباد ہوجاتی ہیں، اور کائنات شر و فساد کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

اس لئے زبان کو زیان سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ اسکے توسط سے آنے والے آفات پر گہری نظر رکھیں، پھولوں کو چن لیں، خاروں کو پھینک دیں، اچھائیوں کو اپنانے کی کوشش کریں، اور برائیوں سے بچیں، ذیل میں ہم اس کے ذریعہ مسلط ہونے والے آفات اور اس سے اجتناب کے طریقے مختصراً درج کررہے ہیں۔

لایعنی گفتگو

مومن کا ہر لمحہ قیمتی ہوتا ہے اس کی ہر بات حکمت ہوتی ہے، اس کا ہر سکوت اسرار کائنات کا امین ہوتا ہے، ارشاد نبوی ہے،

اذا رأیتم المومن صموتا وقوراً فادنوا منہ فانہ یلقن الحکمۃ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: "جب تم کسی مومن کو خاموش طبع، متانت پسند پاؤ تو اس سے نزدیکی حاصل کرو وہ تمھیں حکمت کی باتیں بتائے گا!"

وقت اس کے لئے مغتنم پونجی ہے، مرد مومن اپنی زندگی کے کمترین لمحات کو بھی ضائع کرنا، زندگی کا خسارہ تصور کرتا ہے۔ غور کیجئے، کیا ایسا نہیں ہے، ہم بسا اوقات ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ہمارا دنیوی یا دینی کوئی فائدہ مقصود نہیں ہوتا اور زندگی کے عزیز ترین لمحات اگر ہم تلاوت قرآن، اوراد و اذکار، تفکر فی آلاء اللہ اور حکمت و موعظت کی باتیں سیکھنے میں صرف کرتے تو یقیناً ہمارے نامۂ اعمال میں اعمال حسنہ کا اضافہ کرسکتے تھے، ہم نے فضول اور لایعنی باتوں میں گنوا کر خسران اٹھایا یا نہیں؟

پھر لایعنی گفتگو سے میری مراد یہ ہے کہ ایسی باتیں کیجائیں جن سے دنیوی یا دینی کوئی فائدہ متصور نہ ہو اور گفتگو کذب و غیبت، لعن و استہزار وغیرہ سے بھی پاک ہو، کیونکہ دوسری صورت تو گناہ اور مواخذۂ آخرت کا سبب ہوگی اور اسے بجائے لایعنی گفتگو کے کلام آثم کہنا صحیح ہوگا۔ لایعنی کلام تو وہ ہے کہ مثلاً آپ مجلس احباب میں بیٹھ کر اپنے سفر لندن کے عجائبات بیان کرنا شروع کردیں، فلاں مقام پر فلاں سائنسداں سے ملاقات ہوئی اور فلاں مقام پر میں نے دلکشا باغیچے دیکھے اور ایسے ایسے بلند و خوشنما مکانات بھی میری نگاہوں سے گزرے جنھیں فن تعمیر کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے وغیرہ ذالک۔

ظاہر ہے یہ باتیں ایسی تھیں جن کا بیان کرنا کسی لحاظ سے ضروری نہیں اور عقلی و منطقی رو سے آپ نے عمر عزیز کے جو لمحات ان باتوں کے بیان کرنے میں گزارے "گھاٹے کا سودا" کہے جانے کے مصداق ہیں، خواہ آپ کے ذہن میں اس سے تھوڑا بہت فائدہ ہی کیوں نہ متصور ہو؛ فرض کیجئے، ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس دس ہزار روپئے موجود ہیں اور اس کے پاس ایسی ممکن صورتیں بھی ہیں کہ اس رقم کے ذریعہ وہ دو ہزار روپئے ماہانہ منافع حاصل کرسکتا ہے۔ پھر اس نے دیدہ و دانستہ اسے کسی ایسے کاروبار میں لگا دیا جس سے صرف پانچسو یا ایک ہزار روپئے ماہانہ کا منافع حاصل کرسکتا ہے۔ بتائیے یہ گھاٹے کا سودا ہوا یا نہیں؟ اور اس کرتب پر اسے مخبوط الحواس کہنا بیجا تو نہیں ہوگا!

پھر آپ نے بزعم خویش تھوڑے سے فائدہ کے لئے زندگی کے وہ لمحات جو فضول اور لایعنی باتوں میں صرف کئے جبکہ اس پونجی کے ذریعہ حسنات وخیرات کا ذخیرہ جمع کرنا سہل تھا کس عقلمندی کا ثبوت دیا ہے؟ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لایعنی باتوں سے پرہیز کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اسے تکمیل ایمان کی ضمانت قرار دیا ہے اور "ایمان کا حسن" فرمایا ہے۔

مِن حُسنِ اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (ترمذی)

(اسلام کا حسن لایعنی چیزوں کو ترک کر دینا ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جنگ اُحد میں ایک غلام شہید کر دیئے گئے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد ہم لوگوں نے ان کے پیٹ پر بھوک کی شدت سے پتھر بندھے دیکھا۔ ماں بھی قریب ہی کھڑی تھی جب اس کی نظر پڑی تو لپک کر چہرہ کی گرد صاف کرتے ہوئے کہا:

ھنیاءً لک الجنتہ یا بُنَیَّ - (اے بیٹے! جنت مبارک ہو۔)

ماں کی یہ آواز سرکار کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا — مایُدرِیکِ لعلّہٗ کانَ یتکلّمُ فیما لا یعنیہ۔ (ترمذی)

(تمھیں اس کے جنت میں جانے کا علم کیونکر ہوا؟ ہو سکتا ہے یہ لایعنی گفتگو کا عادی رہا ہو؟)

اللہ اکبر! کس قدر لرزا دینے والی حدیث ہے یہ —
حفظنا اللہ تعالیٰ مما یعنینا۔

شان رسالت کا بقیہ صفحہ ۱۰ سے آگے

سخاوت اکثر مواقع پر دستگیری نہ کرتی تو آج اسلام اس بام رفعت پر نہ پہنچتا۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ کسی نے بھی تین بار جنت خریدی ہو اور پھر کس شان سے کہ حضور نبی کریم نے ضمنی وعدہ بھی کر لیا ہو۔

چوتھی ذات گرامی حضرت امام الاشجعین مولا علی کرم اللہ وجہہ کی ہے، اگرچہ ابتدائے اسلام میں آپ اپنی صغرسنی کی وجہ سے کوئی نمایاں حصہ نہ لے سکے، مگر سن رشد کو پہنچکر جو کارہائے نمایاں آپ نے انجام دیئے ہیں، وہ انسانی طاقت اور قوت بشریت سے بالاتر ہیں۔ بیشک آپ ہی کی ذات اقدس تھی جو حضرت روحی فداہ کی قوت بازو تھی، میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر چار ستون عمارت اسلام کے نہ ہوتے تو یہ استحکام کسی صورت سے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

اب آخر میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات برتر و اعلیٰ سب مسلمانوں کو نیک عمل کی ہدایت دے اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلائے اور صحیح معنی میں مسلمان کہلانے کا مستحق کرے۔ آمین یا رب العالمین ٥

تمنا ہے یہی خلاق اکبر — طفیلِ حضرت سلطان کشور
بوقت نزع ہو شاہد کے لب پر — ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر

محمد عارف حسین یوسفی
جامعہ عربیہ سلطانپور

ہماری درس گاہیں

آپ ہی نہ سنیں گے تو اسے کون سنے گا!
یہ دل کی صدا ہے میری آواز نہیں ہے

درس گاہوں نے کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ میں جو اہم رول ادا کیا ہے وہ ایک روشن صداقت ہے جس کا معمولی پڑھا لکھا انسان بھی انکار نہیں کر سکتا انہیں درس گاہوں کا فیض ہے کہ امام غزالیؒ۔ امام رازی مجدد الف ثانی اور اعلحضرت فاضل بریلوی جیسی عظیم و بے مثال تاریخ ساز ہستیاں دنیا میں ظہور پذیر ہوئیں جنھوں نے علم و ادب کی تاریخ میں بڑے گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔
ایسے نقوش جس کا ہر نقش اپنی جگہ ایک لازوال تاریخ ہے ایک غیر فانی دینی کارنامہ ہے۔

وہیں وہیں سے زمانہ نے راہ پائی ہے
جہاں جہاں مرے نقش قدم نظر آئے

یہ علم و فن کے منارے جنکی فکری کاوشوں، اجتہادی بصیرتوں کا جائزہ لینے کیلئے ایک عظیم معہد تعلیمی کی ضرورت ہے انہیں درس گاہوں کی گود میں امام و اعلیحضرت ہوئے جنکی بے حسی ذہنی بے چارگی، احساس کمتری فریب خوردگی آج ان ہزاروں طلبہ سے ظاہر ہے جو سال بسال فاضل کی سندیں لئے خراماں خراماں چلے آرہے ہیں۔
علمی کم مائیگی بصیرت و بصارت سے محرومی، کورانہ تقلید جہل مرکب ان سب کے ہوتے ہوئے ذہنی تفوق و برتری جن کا سرمایہ ہے۔
عصر حاضر میں درس گاہوں کا جو نقشہ ہمارے سامنے ہے یہ ہمارے اسی منفی انداز فکر کا نتیجہ ہے جس نے احساس و قوت عمل جیسی عظیم قوتوں کو ہم سے چھین لیا ہے۔

وائے محرومی متاع کارواں جاتا رہا!
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آج جبکہ ہر طرف الحاد و بیدینی کے خطرناک جراثیم ذہنوں میں اتارے جا رہے ہیں، دین و مذہب سے نفرت و بیزاری کا جذبہ پیدا کیا جا رہا ہے۔ درسگاہوں نے ایسے طلبہ کے ہجوم لگا رکھے کو جن کے ذہنوں پر ایک نہ ٹوٹنے والا جمود طاری ہے خدمت دین کا مقدس نام دے رکھا ہے۔
کلیجے پر ہاتھ رکھ کر بتایئے قوم و ملت کے سرمایہ سے اس مذاق کو خدمت دین سے موسوم کرنا کیا ہماری ملی غیرت و حمیت کی موت نہیں؟ یقین کیجئے ہماری دینی غیرت مر چکی ہے اور یہ کھوکھلے نعرے جو ہم دین اور خدمت دین کے نام پر لگاتے ہیں ایک فریب ہے ایک سراب ہے ہم خود فریبی کے شکار ہیں اور قوم و ملت کے ہونہار بچوں کو بھی اسی دلدل میں ڈال رکھے ہیں جس نے ہمارے احساسات و جذبات کو فنا کر دیا ہے، ہمارے فکر و شعور، ذہن و خیال کو بے حسی کی بیڑیاں پہنا دی ہیں۔
اسی خود فریبی کا نتیجہ ہے کہ سینکڑوں درسگاہوں کے باوجود ہمارے پاس علم و آگہی کا کوئی تعمیری سرمایہ نہیں جسے ہم اپنے عقیدت مندوں یا دوسرے مکتبہ فکر کے ذہنوں کے سامنے پیش کر سکیں۔
خود فریبی جس نے قوموں کے عروج و اقتدار کو پامال کیا ہے جس نے متمدن تہذیبوں کے نام و نشاں مٹا دیئے ہیں خود فریبی جو آفتوں ہلاکتوں کی نشانی عظیم قوتوں، بلند حوصلوں کی موت ہے جبتک ہم اس کی بھول بھلیوں سے باہر نہیں آجاتے اسوقت تک ہماری ذہنی اور فکری صلاحیتوں پر خود فراموشی کے دبیز پردے پڑے رہیں گے ہماری تہذیب و ثقافت پامال ہوتی

رہیگی اور ایک وقت آئیگا کہ ہم رونا چاہینگے مگر ہمیں آنسو نصیب نہ ہوں گے

عہد ماضی کے جنازہ پہ سسکنے کیلئے
یاد رہ جائیگی اور وقت نکل جائیگا

اس لئے خود اعتمادی بلندی حوصلگی قوت عمل اور فکر و شعور میں نکھار پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان تمام امور سے درسگاہوں کو پاک کر دیا جائے جو انکی ابتری زبوں حالی کا سبب ہیں۔ ان امور اسباب کی فہرست بڑی طویل ہے جن میں سے بعض ہماری غربت و ناداری کا نتیجہ ہیں اور اکثر ایسے ہیں جنھیں ہم نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر پیدا کئے ہیں اور یہی وہ اسباب ہیں جو سب سے زیادہ تباہ کن اور خطرناک ہیں درسگاہوں کی رسہ کشی، اساتذہ کی باہمی گرم جنگ، مہتمین و منتظمین کی خوشامد پسندی اور ان کی انا اسیطرح کے اور بھی سفلی جذبات ہیں جن کا مظاہرہ آئے دن طلبہ کے سامنے ہوتا رہتا ہے اوروں کی ساری صلاحیتیں انہیں فتنوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔

یہ درسگاہیں جو اس لئے وجود میں آئی تھیں کہ ذہنوں کو کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھالا جائے آج آپس کی جنگوں، دھینگا مشتیوں۔ گروہ بندیوں اور کچھ لوگوں کی شکم نوازیوں کیلئے وقف ہو کر رہ گیں ہیں۔

ہماری ان تمام زعمائے ملت سے (جو خدمت دین پر ایمان رکھتے ہیں) عرض ہے کہ وہ درسگاہوں سے گروہ بندی اور اس جیسی دوسری لعنتوں کو دور کرنے اور طلبے کی تعلیم اور تربیت کا بہترین نظم فرمانے کیلئے عملی قدم اٹھائیں تاکہ درس گاہوں میں ایسے طلبہ پیدا کئے جائیں جو بذات خود ایک تحریک ایک تنظیم اور دار التصنیف والتالیف ہوں جو ہمارے ایمان و عقیدہ کی حفاظت بھی کر سکیں اور ایوان حکومت تک اپنی آواز پہنچا کر ہمارے دستوری حقوق کو انصاف بھی دلا سکیں نقش فریادی ہوں ہیں اس شوخی تحریر کا۔

سفید داغ کے لئے

باچی ۶ ماشہ، سیاہ مرچ ۶ ماشہ دونوں کو سفوف بنا کر مٹی کے برتن میں شام کو بھگا دیں اور صبح ۹ ہم بار سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کر کے روزآنہ پلائیں۔

مولوی قطب الدین بیگ ٹانڈہ فیض آباد

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں، وہ ہر عالم میں رہتے ہیں!

نسیم جب چلتی ہے تو شاخ گل ہی سے نہیں کھیلتی بلکہ ببول کے کانٹوں بھری خشک ڈالیوں کو بھی پیار کر لیتی ہے، ابر زندگی صرف ہری بھری کھیتوں ہی پر نہیں برستا صحرا کو بھی سیراب کر دیتا ہے۔ ماہ و سورج کی ضیاپاش کرنیں امیروں کے خوشنما محلات بادشاہوں کی شاندار عمارت ہی کو بقعۂ نور نہیں بناتیں بلکہ کھنڈروں اور جھونپڑیوں پر بھی اپنی نقرئی تجلیاں بکھیر دیتی ہیں۔

الغرض فطرت کسی کے ساتھ بخیل نہیں اس کا فیضان عام ہے۔ اسلام بھی ایک فطری دین ہے اس کے فیوض و برکات بھی تمام انسانوں کیلئے عام ہیں۔ چنانچہ اس دین فطری کے رسول گرامی منزلت رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے تو کسی عالم کیلئے ان کی رحمت گرامی کو خاص نہیں کیا گیا بلکہ تمام عالم کیلئے ان کی رحمت کو عام بنا دیا گیا ہے۔ وما ارسلنک الا رحمۃ اللعلمین

پروردگار عالم جل مجدہ نے اس آیۃ کریمہ میں لفظ عالمین ارشاد فرمایا ہے جو عالم کی جمع ہے جس سے اس حقیقت کی طرف نشاندہی ہوتی ہے کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات اور تمام عالموں کیلئے رحمت ہیں۔ قرآن عظیم میں ایک اور مقام پر لفظ عالمین استعمال کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔ الحمد للہ رب العلمین تمام تعریف اس رب کیلئے ہے جو سارے عالم کا پالنہار ہے۔ اللہ رب العزت نے ایک مقام پر اپنے محبوب کی رحمت کیلئے اور دوسرے مقام پر اپنی ربوبیت کیلئے لفظ عالمین کا استعمال فرمایا ہے جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جہاں جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ربوبیت ہے وہاں وہاں پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہے۔

وہ رحمت ہیں بحر و بر کیلئے۔ وہ رحمت ہیں جن و بشر کیلئے۔ وہ رحمت ہیں برگ و ثمر کیلئے۔ وہ رحمت ہیں شجر و حجر کے لئے۔ وہ رحمت ہیں حور و ملک کے لئے۔ وہ رحمت ہیں ارض و فلک کیلئے

بلکہ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ اس دنیا کا وجود آپ کی تشریف آوری کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اپنی تشریف آوری سے انسانیت کی زلف برہم سنوارا۔ گیسوئے ہستی کے پیچ و خم کو سلجھایا۔

درندہ صفت انسانوں کو پیکر رحم و کرم بنا دیا۔ آپ کی تشریف آوری سے پوری دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔ ایسا صالح انقلاب جس نے ساری دنیا کی کایا پلٹ دی۔ جو یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کو پامال کرتے تھے وہی ان کے حقوق کے نگراں و محافظ بن گئے۔ جو لوگ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے وہی لوگ لڑکیوں کو ایک نعمت عظمیٰ تصور کرنے لگے۔

آپ نے حیات انسانی کے شعبے کی اصلاح فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو انسان وجہ فساد کہا جاتا تھا مرکز خلائق بن گیا فرشتوں نے اس کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا اور پکار اٹھے کہ واقعی انسان افضل الخلائق ہے آپ نے بنی نوع انسان کو حریت و مساوات کی کی تعلیم دی۔ غلامی کی ذلت آمیز زنجیروں سے انسان کی گردن آزاد فرمائی۔ آپ نے حاکم و محکوم مالک و مملوک سب کو ایک مقام پر کھڑا فرمایا آپ نے عجمی عربی کالے گورے اور امیر و غریب کے سارے امتیازات مٹا دیئے ایک نے فرمایا "کلکم من آدم و آدم من تراب" تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے ننھے مصطفیٰ جان رحمت نے انسانیت کو اس وقت سنبھال دیا جب وہ تباہی کیطرف تیزی سے بڑھ رہی تھی جب انسان کے اندر انسانیت فنا ہو گئی تھی وہ درندہ ہو گیا تھا۔ اور جب مظلوم انسان درندہ صفت انسانوں کی بربریت و بہیمیت کا شکار ہو رہی تھی ہر طاقتور کمزور کیلئے بھیڑیا بنا ہوا تھا۔ آپ نے حکمراں طبقہ کو ان لفظوں میں مخاطب فرمایا۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ اے حکمراں طبقہ تم میں کا ہر فرد راعی ہے اور تم سے تمہاری رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

سید القوم خادمھم یعنی قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ اس طرح آپ نے ایک ایسے صالح معاشرے کی بنیاد ڈالی جہاں غلامی و امیری کے سارے امتیازات مٹ چکے تھے آپ نے ایک جاہل اجڈ اور گنوار قوم کو ایک عظیم ترین تمدن اور بے مثال تہذیب سے آشنا فرمایا۔ جو لوگ علم و شائستگی سے کوسوں دور تھے وہی لوگ پیکرِ علم و تہذیب بن گئے جو تعلم سے ناآشنا تھے علم کا مفہوم بھی سمجھنے سے قاصر تھے وہی لوگ ساری دنیا میں معلم کی حیثیت سے چھا گئے اور دنیا کی ہر قوم نے ان کے علوم و فنون کو مانا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے علمی استفادہ کو سرمایۂ فخر سمجھا آج دنیا میں تجربہ و تحقیق نے جتنی ترقی کی ہے اسے یورپ کی دین تصور کی جاتی ہے حالانکہ ایک زمانہ وہ تھا جب یورپ نے خود ہمارے سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا۔

ذرا غور فرمائیے کہ کتنا عظیم انقلاب تھا کہ جو لوگ چوپایوں کی سی زندگی گزار رہے تھے وہی لوگ صفحۂ عالم پر ابھر کر جہاں بانی کے فرائض انجام دینے لگے۔ اور نہ صرف یہ کہ جہانبانی اور حکمرانی کی بلکہ اپنے پیچھے سیاست و حکومت کی اپنی مثالیں چھوڑ گئے کہ آج کی متمدن دنیا انھیں نقوش و آثار کو مشعلِ راہ بنانے پر مجبور ہو چکی ہے۔ سوچئے تو سہی کہ غلامی کے خلاف کس نے سب سے پہلے آزادی کی روح انسانی خمیر میں پھونکی۔ کس نے یہ تعلیم دی کہ دنیا کا ہر انسان جینے کے معاملہ میں برابر کا حق رکھتا ہے کس نے یہ تعلیم دی کہ کالے گورے، عجمی، عربی، نسلی، قبائلی، ملکی، وطنی، انسان کے اپنے دماغ کی پیداوار ہیں خالقِ کائنات نے تو سبکو ایک باپ کی اولاد بنایا ہے۔ اس تمدن تہذیب کے زمانہ میں انسان انسانیت کے اس تصورِ عظیم سے بے بہرہ ہے جسے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زندہ ثمنیٹ اور لافانی حقیقت کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آج بھی ملک و قوم میں وطن کی بنیادوں پر نفرت کی دیواریں انسانی قلوب کے درمیان حائل ہیں۔

ایسا آج بھی نہ ہو سکا مغرب کا رہنے والا انسان مشرق کے انسان کو گلے لگانے اور مشرق کا رہنے والا مغرب کے انسان کے اندر اپنے دینی بھائی کی روح کو موجود پائے۔ یہ تو صرف آقائے دو جہاں کا ایک معجز نما پیغام رحمت تھا جس نے ایک کلمۂ اسلام کے ذریعہ سارے بنی نوع انسان کو پکارا خواہ مغربی ہو یا مشرقی دنیا کے کسی گوشے میں رہتا خواہ وہ انسان کے کسی بھی طبقہ سے وابستہ ہو کر زندگی گزار رہا ہو اسلام کی نظر میں سب برابر ہے۔ آج دنیا اس وحدت کیلئے سرگرداں ہے مگر افسوس کہ تاہنوز وہ اسلام کے چشمۂ حیوان سے قریب تر نہ ہو سکی ہے ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اگر انسان کہ جذبۂ حریت و مساوات کو سکون مل سکتا ہے تو اسلام کے پیغام میں اگر انسان کی پیاس بجھ سکتی ہے تو اسلام کے چشمۂ حیوان سے۔

دو غزلیں

اجمل سلطانپوری

میری شبِ فراق کو آکے تو جگمگا بھی دے
اے میرے چاند ایک بار حسرت ہے مسکرا بھی دے

دل کو مرے جلا بھی دے دل کی لگی بجھا بھی دے
ہے جبھی لطف زندگی درد بھی دے دوا بھی دے

کشمکش حیات و موت حاصل جسم و جاں نہیں
اے مرے ہم نفس مجھے مار بھی دے جلا بھی دے

اُس کا قصور وار ہوں کرتا ہے جو خطا معاف
اُس کے گرفت میں ہوں جو چھوڑ بھی دے سزا بھی دے

میرا چراغِ زندگی جل کے نہ بجھ سکے گا پھر
کہدو کہ ایک بار اسے آکے اجل بجھا بھی دے

اجمل دردمند کو کافی ہے تیرا درد ہی
ہوں گے وہ کوئی بوالہوس کہتے ہیں جو دوا بھی دے

از کلیم شفائی فیض آبادی

تم ہمارا جو ذوق نظر دیکھتے
تم سے دیکھا نہ جاتا مگر دیکھتے

پہلے ہم قوت بال و پر دیکھتے
پھر چمن کی طرف اک نظر دیکھتے

میری بربادیاں وہ اگر دیکھتے
اپنا دامن بھی اشکوں سے تر دیکھتے

ہم بدل دیتے آداب بادہ کشی
ان کی محفل کو جب رنگ پر دیکھتے

ان کے عارض پہ زلفیں بکھرتیں اگر
ایک مرکز پہ شام و سحر دیکھتے

میرے ساقی ادھر بھی ہو چشم کرم
عمر گذری ہے تیری نظر دیکھتے

کیوں جلاتے نہ اپنے نشیمن کو ہم
تا بکے رقص برق و شرر دیکھتے

توڑ دیتے طلسمات دیر و حرم
ہم تمہارا اگر سنگِ در دیکھتے

موت نے سلسلہ منقطع کر دیا
ورنہ راہیں تری عمر بھر دیکھتے

یہ بھی اک وقت کی مصلحت ہے کلیم
ورنہ جلتا ہوا اپنا گھر دیکھتے ہو

طنز و مزاح

مولانا اسلم بستوی

وارداتیں

احباب اور بزرگوں سے معذرت کے ساتھ

خطیب مشرق علامہ نظامی صاحب کا حکم ہے کہ میں "پاسبان" میں بھی اپنی پسند کا کوئی عنوان منتخب کر کے مستقل لکھا کروں لہٰذا میں نے اپنی پسند سے یہی "وارداتیں" منتخب کر لیا ہے جو غالباً مذہبی رسائل کے لئے ایک نئی چیز ہے۔ مجھے اب یہ دیکھنا ہے کہ میری اس "پسند" کو قارئین پاسبان کہاں تک پسند کرتے ہیں ——؟ اس سلسلہ میں قارئین مجھے اپنی قیمتی آرار سے ذیل کے پتہ پر نوازیں تاکہ مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ بآسانی کیا جا سکے —— فقط:- آپ کا —— اسلم بستوی، خادم انوار القرآن، بلرام پور ضلع گونڈہ۔

بوڑھا نہیں بنا پاتے -!

استاذی و استاذ العلماء جلالۃ العلم حضرت علامہ الحاج حضرت حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ کے خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ۔

اپنے ادارے کا ایک فارغ شدہ عالم دیجئے جو چنیں و چناں ہو ساتھ ہی سن رسیدہ ہو تو بہتر ہے" حضرت نے کمال سنجیدگی کیساتھ جواب دیا۔ ہم پڑھا لکھا کر قابل عالم تو ضرور بنا دیتے ہیں مگر افسوس کہ ہم بوڑھا نہیں بنا پاتے"

آسمان پر بھیجا جائے -!

علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور کی خدمت میں ایک مولوی صاحب آئے اور انہوں نے درخواست پیش کیا۔ حضرت مجھے پڑھانے کی جگہ دی جائے مگر جگہ ایسی ہو جہاں چندہ نہ کرنا پڑے۔ قبلہ مفتی صاحب نے فرمایا۔ تو کیا آپ کو آسمان پر بھیج دیا جائے۔

یہ شکر کی ہے —!

انوار العلوم تلشی پور کے جلسہ میں شرکت کیلئے حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی تشریف لائے تھے مقررین حضرات اور مدرسہ کے مدرسین چاء پر جمع ہوئے مفتی صاحب قبلہ کو چاء پیش کی گئی موصوف نے اپنی چائے دانش علی صاحب فریدی کیطرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ "لیجئے حضرت! آپ پیجئے —!"

مولانا دانش علی صاحب نے کہا۔

"حضرت آپ پیجئے میں تو روز پیتا ہوں"۔ اس پر مفتی صاحب قبلہ نے برجستہ فرمایا "حضرت یہ شکر کی ہے"

میں کہتی ہوں -!

ایک جلسہ میں اسٹیج پر جانے سے پہلے مقررین آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ مقرر بولتے بولتے کبھی کبھی اضطراری طور پر وہ بہت مضحکہ خیز جملے بول جاتا ہے جسے وہ خود محسوس نہیں کر پاتا۔

حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب فصیحی نے فرمایا "کم از کم میری تقریر میں تو کبھی ایسا نہیں ہوتا" اس پر دیگر مقررین حضرات نے کہا

اچھا آج آپ کی تقریر کو دھیان دیا جائیگا اور عظمی کی بر وقت نشاندہی بھی کر دی جائیگی۔ بات ختم ہو گئی تقریری پروگرام شروع ہوا فصیحی صاحب کی تقریر ہو رہی ہے اور تمام مقررین بڑی توجہ کیساتھ عظمی کی تلاش میں ہیں چالیس منٹ گزرنے کے بعد یکایک فصیحی صاحب نے اپنی تقریر میں بڑی گرجدار آواز کیساتھ فرمایا

"مسلمانو! میں کہتی ہوں" مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی نے ٹوکتے ہوئے فرمایا "سبحان اللہ مولانا آپ کہتی ہیں" فصیحی صاحب نے اسی تسلسل کیساتھ فرمایا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ——

حُسن طلب ——!

بھیونڈی (مہاراشٹر) کے جلسہ میں حضرت مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی اپنے مخصوص انداز میں شعلہ بار تقریر فرما رہے تھے موسم سرما ہونے کے باوجود پسینے میں شرابور ہو گئے رخسار سے پسینہ پوچھنے کیلئے جیب میں ہاتھ ڈالا اتفاق سے رومال نہیں تھا اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے محسوس کیا اور جلدی سے اپنا رومال پیش کیا۔ جلسہ ختم ہوا مولانا نے بے دھیانی میں رومال اپنی جیب میں ڈال لیا اور ہم لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے تھوڑی دور چلنے کے بعد رومال والے صاحب آگے بڑھکر کہنے لگے "مولانا ایسا ہے یہ رومال آپ ہی رکھ لیجئے میں دوسرا خرید لوں گا"۔ مولانا نے ہنستے ہوئے کہا نہیں صاحب رومال آپ اپنا لیجئے اور حسن طلب کے ہیں قربان! ——

جیسے غالب کی غزل ——!

جناب بیکل اتساہی نے "جشن صد سالہ غالب" کے موقعہ پر ایک نظم کہی جو کافی مقبول ہوئی۔ نظم کا مصرعۂ اولیٰ یہ ہے "مرمریں لفظوں میں تخیل کا ایک تاج محل جیسے غالب کی غزل" اسی نظم کو بیکل صاحب نے گنوریہ (تلشی پور) کے مشاعرہ میں فرمائش پر پڑھی۔ ایک مقامی ہزل گو شاعر رحمت اللہ آزاد سبحانی نے اسٹیج پر بیٹھے بیٹھے اس نظم کی پیروڈی کر دی اور بیکل صاحب کے بعد ہی اجازت لیکر پڑھنے کیلئے کھڑے ہو گئے پیروڈی کا مصرعۂ اولیٰ کچھ اسطرح تھا۔ ع

"میں تو کہتا ہوں ہزل۔ جیسے غالب کی غزل" ——

ہڈیاں نہیں کھائی

ایک دعوت میں قاری عبد الحلیم صاحب گونڈوی نے گوشت کھا کر ہڈیاں مولانا غلام محمد صاحب عزیزی کے سامنے رکھنا شروع کیا۔ اب مولانا کے سامنے کچھ قاری صاحب کی پس خوردہ ہڈیاں اور کچھ انکی اپنی پس خوردہ ہڈیاں زیادہ مقدار میں جمع ہو گئیں قاری صاحب مواد جمع ہی کر چکے تھے اور اب موقع کی تلاش میں تھے کہ کھانا ختم ہوا تو فوراً قاری صاحب نے ہڈیوں کے طرف اشارہ کر کے کہا۔

مولانا آج آپ نے کتنا گوشت کھا ڈالا"؟

مولانا بھی چوکنے والے نہیں تھے برجستہ جواب دیا۔ جی ہاں میں نے ہڈیاں نہیں کھائی ہیں ——

علامہ خاکسار

میں لکھنؤ سے بذریعہ ٹرین بلرامپور آرہا تھا سامنے کی برتھ پر لکھنؤ کے دو نئے شاعر بیٹھے تبادلہ غزلیات کر رہے تھے اور غزلیات کے بعد ذاتیات پر اتر آئے۔ ان میں سے ایک نے اپنی شان میں لمبا چوڑا قصیدہ پڑھتے ہوئے کہا۔

"اماں ریڈیو والوں نے تو میرا ناک میں دم کر رکھا ہے جب دیکھو تب غزلوں پر غزلیں مانگے چلے جاتے ہیں"

دوسرے نے اپنی شان میں ایک طول طویل خطبہ دینے کے بعد فرمایا "میاں مشاعرے والے تو مجھکو زندہ نہیں رہنے دینگے اندرون ملک کے مشاعرے ہی کیا کم تھے اور اب تو فارن کے لوگ بھی بلانے لگے ہیں"۔ پہلے صاحب پہلو بدلتے ہوئے اب مجھ سے مخاطب ہو گئے اور فرمانے لگے۔

اور ہاں جناب آپ کی تعریف ——؟"

میں نے کہا۔ علامہ اسلم لبستوی کا نام آپ نے سنا ہی ہوگا۔!"

اس پر دونوں صاحبان نے بیک زبان کہا۔

ہاں صاحب! ان کو بھلا کون نہیں جانتا ہے۔؟"

میں نے کہا اسی خاکسار کو کہتے ہیں۔"

مولانا محمد احمد صاحب مصباحی

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فنا فی الرسول اور بارگاہ نبوی کے حاضر باش تھے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

پیر طریقت مولانا سید عبدالحق صاحب فرماتے ہیں، جب میں سفر زیارت حرمین شریفین میں تھا، ایک دن حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قبلہ کی مجلس میں حاضر ہوا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کی زندگی پاک سے متعلق گفتگو جاری تھی، اس میں اعلیٰ حضرت کے علم و فضل، زیرکی و دانائی اور زہد و اتقاء سبھی گوشوں پر بھرپور روشنی ڈالی جا رہی تھی۔ اسی دوران اعلیٰ حضرت کا عشق رسول اور بارگاہ نبوی میں مقبولیت کا تذکرہ آیا تو مولانا ضیاء الدین صاحب قبلہ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ بحالت بیداری میں نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت مواجہہ اقدس میں حاضر ہیں اور بارگاہ نبوی میں درود و سلام کا ہدیہ تحفہ در فرما رہے ہیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ اعلیٰ حضرت وصال فرما چکے ہیں، مگر میں از دیاد شوق میں بڑھا کہ چل کر ملوں۔ چنانچہ میں بڑھا ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ اعلیٰ حضرت نظروں سے اوجھل ہو گئے، معاً دوسری طرف کھڑے ہدیہ درود و سلام پیش کر رہے ہیں، یوں ہی تین مرتبہ میں نے ملنے کی کوشش کی اور اعلیٰ حضرت اوجھل ہوتے رہے تو میں نے دل میں سوچا، ضیاء الدین یہ بھید کی باتیں ہیں، جانے دو ؎

دل و جاں ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضؔا سارا تو سامان گیا

یہ واقعہ تو تمہیداً صرف فنا فی الرسول کے ثبوت میں عرض ہوا ہے، اصل لطف تو آپ کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا کلام عشق رسول کا آئینہ دار ہونے کے علاوہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی بہت بڑے رند ہوتے اور آپ کا انجام بھی حضرت منصور حلاج و شمس تبریز وغیرہ وغیرہ سے جدا نہ ہوتا، مگر آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصلاح امت اور لوگوں کو بدعت و ضلالت سے بچانے کے لئے پیدا فرمایا تھا، باوجودیکہ آپ بے خودی میں بہکنا چاہتے تھے، مگر کوئی ایسی غیر مرئی شے ہے جو نشۂ بے خودی کو زائل کر دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو، کیفیت بے خودی میں حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنا چاہتے تھے، واقعات و حقائق کے تجزیہ کے بعد سجدہ کرنے کی دلیل بھی ہاتھ آجاتی ہے مگر ؎

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سد ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

وفور شوق میں گنبد خضریٰ کا دلکش نظارہ دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہیں، سجدہ کو بے قرار ہو جاتے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتف غیبی چلا اٹھتا ہے، احمد رضا کیا کر رہے ہو؟

پیش نظر وہ نو بہار سجدہ کو دل ہے بیقرار
روکئے سر کو روکئے، ہاں یہی امتحان ہے

خواہشات عشق کا خون ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں ؎

اے شوق دل یہ سجدہ گراں کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

توہین عشق اور دل کی طعنہ و تشنیع بڑھتی جاتی ہے تو یوں پکار اٹھتے ہیں ؎

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

جب گرے منہ سوئے میخانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

مولانا محمد عبد المبین صاحب مصباحی

فراوانیٔ دولت کے نشے نے

خُدا سے کئے ہوئے وعدے پُورا کرنے سے باز رکھا

عہدِ رسالت کا ایک دِل ہلا دینے والا عبرت آموز واقعہ

مدینہ کے ایک مفلس انصاری تھے حضرت ثعلبہ بن حاطب وہ نماز باجماعت کے سخت پابند تھے لیکن نماز پڑھتے اور فوراً ہی گھر کی طرف دوڑ پڑتے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تعجب سے اس منظر کو دیکھتے کہ آخر کیا بات ہے ثعلبہ جماعت کے ختم ہوتے ہی گھر کی طرف چل پڑتے ہیں جیسے مسجد اور گھر کے علاوہ انکو کسی سے کچھ کام ہی نہیں رہتا۔

آخر ایک دن رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا ثعلبہ جماعت کے ختم ہوتے ہی تم فوراً گھر کی طرف کیوں چلتے نظر آتے ہو کیا مسجد اور گھر کے علاوہ تمہارا اس جہاں میں کوئی نہیں ہے۔

سرکار رسالت کی دریافت میں استعجاب تھا۔ ثعلبہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ مفلسی اور تنگ دستی نے یہاں تک تنگ کر رکھا ہے کہ ایک ہی لباس سے میاں بیوی دونوں کام چلاتے ہیں جب میں نماز پڑھ کر جاتا ہوں اور اس کو لباس دیتا ہوں تو وہ فریضہ خداوندی کو ادا کرتی ہے بس یہی وہ سبب ہے جسکے تحت میں فوراً نماز پڑھکر گھر چلا جاتا ہوں۔

ثعلبہ مفلسی اور غریبی سے اکتا چکے تھے ایک روز بارگاہ رسالت میں آکر عرض کیا یارسول اللہ مال و دولت کیلئے دعا فرمادیں۔

ثعلبہ نے اگرچہ بڑے درد بھرے لہجہ میں عرض کیا تھا مگر غیب داں نبی آخر الزماں نے تسلی آمیز انداز میں فرمایا کہ ثعلبہ! تم خدا کے دیئے ہوئے پر صبر کرو یاد رکھو خدا کا بخشا ہوا معمولی رزق جس سے آدمی جی سکے اور اس کا شکر ادا کر سکے ان بے پناہ دولت کے خزانوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کو پاکر آدمی منعم حقیقی کو ہی بھول جاتے اور ناشکری کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن ثعلبہ کا اصرار برستور قائم رہا۔ اور پھر عرض کیا یارسول اللہ تنگ دستی نے بری طرح پریشان کر رکھا ہے اف لِلٰہ مال و زر کی دعا فرمادیں اور کہا اس خدائے پاک کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ضرور حق والے کا حق ادا کروں گا۔ اور فی سبیل اللہ خرچ کروں گا۔ غالباً اس اصرار کا داعیہ یہ تھا۔ شکر مولیٰ سے غفلت کا جرم ثعلبہ سے صادر نہ ہو سکے گا۔

لیکن وہ یہ نہیں سوچ سکے اس عظیم شخصیت کی تشخیص ہے جو صرف آنکھوں ہی کے سامنے کا علم نہیں رکھتا۔ بلکہ مستقبل کے پردوں سے رونما ہونے والے حالات بھی اس کے سامنے عیاں ہوتے ہیں آخر آپ نے پوچھا ثعلبہ! اچھا یہ تو بتاؤ کہ دنیا کی دولت میں سے کون سی چیز تم کو زیادہ پسند ہے۔ عرض کیا حضور بکریاں اب اللہ کے رسول نے دعا فرمائی اے اللہ ثعلبہ کی بکریوں میں فراوانی عطا فرما۔ پھر کیا تھا بھیڑ بکریوں کی شکل میں دولت بارش کیطرح برسنے لگی۔ اور بکریوں میں اتنی ترقی ہوئی کہ شہر مدینہ ثعلبہ کی بکریوں کے لئے تنگ پڑ گیا مجبوراً مدینہ سے باہر ایک میدان میں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اب مسجد کا فاصلہ بڑھا دین سے دوری ہوئی دنیا نے اپنے آغوش میں لینے کیلئے آگے بڑھکر استقبال کیا اور لوگوں نے دیکھا کہ اب ثعلبہ پنجوقتہ کے علاوہ صرف عشا اور فجر میں حاضر

ہونے لگے۔ دولت کی فراوانی ہوتی گئی اور ثعلبہ غفلت کا شکار ہوتے گئے۔ آخرجب بکریوں کی تعداد اور بڑھی تو مدینے کے میدان تنگ دامان کا شکوہ کرنے لگے اور اب ثعلبہ کو دور ایک جنگل کی راہ لینی پڑی پھر تو عشا و ظہر میں بھی غائب ہونے لگے۔ ان کی غیر حاضری دیکھکر سرکار نے صحابہ سے دریافت فرمایا کیا بات ہے آج کل ثعلبہ جماعت میں حاضر نہیں ہوتا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کو مال کی کثرت نے دور ایک جنگل کی سکونت پر مجبور کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے صرف جمعہ جمعہ چلے آتے ہیں یہ جان کر حضور نے فرمایا افسوس ثعلبہ کو مال کی محبت نے دین سے دور کر دیا۔ اتنے میں زکواۃ کی آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم خدا سے آگاہ کیا اور فوراً تمام صحابہ حکم کے مطابق زکواۃ کا مال لیکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور مال کا ڈھیر لگا دیا لیکن زکواۃ کے محصلین جب ثعلبہ کے پاس پہنچے اور زکواۃ کا حکم سنایا تو اس نے دیکھا کہ اس طرح تو بہت سی بکریاں مفت میں چلی جائیں گی۔ کہا کہ یہ تو ایک قسم کا ٹیکس ہے جاؤ پھر میں اس بارے میں سوچوں گا اور زکواۃ نہ دیا۔ محصلین جب بارگاہ رسالت میں ثعلبہ کا جواب سنانے کیلئے حاضر ہوئے تو ان کے کچھ عرض کرنے سے پہلے ہی سرکار نے فرمایا۔ افسوس ثعلبہ کو میں نے اس سے پہلے ہی کہا تھا غریبی تمہارے لئے بہتر ہے۔ مگر وہ نہ مانا اور مال کی کثرت نے اسے خدا سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنے سے باز رکھا پھر فوراً ہی حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں ان آیتوں کو لیکر حاضر ہوئے۔ وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ الخ یعنی ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے کچھ عطا کرے گا تو ہم ضرور خیرات کرینگے اور ہم ضرور نیکو کاروں میں ہو جائینگے۔ اور جب اللہ نے انھیں اپنے فضل سے نوازا بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا۔ اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انھوں اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے (پارہ ۱۰۔ ۱۶ سورۃ توبہ) وحی الہی کی یہ ڈانٹ سنکر ثعلبہ گھبرائے اور دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں زکواۃ کا مال لیکر حاضر ہوئے۔ اللہ کے مقدس رسول نے فرمایا اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے اللہ نے تمہاری زکواۃ کو رد فرما دیا ہے۔ اب کیا تھا ثعلبہ کی دنیا اندھیری ہو گئی دن میں رات کی تاریکی چھا گئی۔ غضب ہو گیا سید کائنات کیا روٹھے کہ ساری کائنات روٹھ گئی زمین خفا ہو گئی آسمان ناراض ہو گیا اور صحابہ کرام متنفر ہو گئے یہاں تک کہ سرکار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد خیر گزر گیا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہد مبارک آیا تو ثعلبہ پھر اپنی زکواۃ لیکر آپ کے پاس حاضر ہوا اور قبولیت کی درخواست کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر اس کو مسترد کر دیا کہ ابوبکر کی مجال نہیں ہے کہ جس زکواۃ کو خدا کے پیارے رسول نے رد فرما دیا ہو اسے قبول کر لے اور آپ کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی جواب کے ساتھ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر ثعلبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سر پر خاک ڈال ڈالکر ہلاک ہو گیا۔ اور اس کے مال و دولت نے کچھ کام نہ دیا سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے کہ یا رسول اللہ

جس سے تم روٹھو وہ سرگشتۂ دنیا ہو جائے

جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے

تف۔ اے دنیا کی محبت واقعی سچ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے۔ المال والبنون فتنہ یعنی مال اور اولاد فتنہ و آزمائش ہیں اور سچ فرمایا ہے پیارے مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثنا) نے کہ میری امت کا فتنہ مال میں ہے چنانچہ آج مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں میں جتنا مال بڑھ رہا ہے دین اتنا ہی کمزور ہوتا جا رہا ہے اور دنیاوی امور بے جا رنگ رلیوں اور اپنی تن آسانیوں کیلئے دولت پانی کیطرح بہائی جا رہی ہے لیکن صحیح طریقے سے زکواۃ نکالنے کی توفیق نہیں ہوتی اور نہ دین کے نام پر کسی دردمند ملت کی آواز پر کوئی لبیک کہنے والا نظر آتا ہے۔

آج دینی مدارس اسلامی ادارے اور مذہبی اخبارات و رسائل جس زبوں حالی کے دور سے گزر رہے ہیں۔ یہ ملت کے مخیر اور اہل ثروت حضرات کیلئے کھلا ہوا چیلنج ہیں

مولانا عبدالباری رضوی
بھاگلپوری

تاریخی افسانہ

مدینہ کے کوچہ و بازار میں نور کی بارش ہو رہی تھی۔ ذرہ ذرہ پارۂ الماس کی طرح جگمگا رہا تھا۔ دو آفتاب ایک ساتھ طلوع ہوئے تھے۔ ایک آفتاب فلک دوسرا آفتاب نبوت، زندگی کا کوئی گوشہ نہ تھا۔ جہاں روشنی نہ ہو اجالا نہ ہو۔ اندھیرے سمٹ کر رہ گئے تھے اور کیوں نہ سمٹتے کہ جس دنیا نے چراغ تلے اندھیرا دیکھا تھا۔ وہ ہدایت کے اس چراغ تلے روشنی لے رہی تھی جس کا کوئی سایہ نہ تھا۔ کوئی پرچھائیں نہ تھیں انسان کا دل روشن ہو گیا تھا۔ آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔ اور انسانی تمدن میں روشنی ہی روشنی تھی اندھیرا نام کو نہ تھا۔

دنیا کی نگاہوں نے ان مایوس انسانوں کو بھی دیکھا ہے جو دل مسوس کر کہتے تھے کہ ہم نہ جانور ہیں نہ انسان! دنیا نے ان سے پیار نہیں کیا تھا اس لئے کہ وہ بدصورت تھے، بد قطع تھے بدرو تھے، وہ پیار کے بھوکے تھے۔ اپنے دل میں پیار کی تشنگی محسوس کرتے تھے لیکن دنیا انھیں ٹھکراتی تھی۔ وہ کس درد سے چیختے تھے۔ کیا بدصورت آدمی محبت کا مستحق نہیں ہے کیا کالی صورت اور حسن و رعنائی سے محروم جسم کے اندر انسان کی روح نہیں ہوتی؟

سعد الاسود بھی محبت کے پیاسے تھے، وہ سیاہ فام تھے اور اتنے سیاہ فام تھے کہ "اسود" ان کے نام کا جزو بن گیا صورتاً حسن و رعنائی سے محروم لیکن ان کے پیکر کے اندر ایک عظیم المرتبت انسان کی روح نہاں تھی اور یہ روح ظاہر بین نگاہوں کے سامنے نہ تھی دنیا ان سے بیزار تھی اور وہ دنیا سے بیزار تھے ان کی بدصورتی ان کے لئے سماج کا ایک جرم بن گئی تھی وہ جسے بھی پیار کی نگاہوں سے دیکھتے وہ پیار کی نگاہ کا جواب حقارت بھری نظر سے دیتا ان کے سینہ میں بھی آدمی کا دل تھا اور یہ دل اتنی بار ٹوٹا تھا کہ چور چور ہو گیا تھا۔

زمانہ ظاہر پر جان دیتا ہے، بناوٹ اور تصنع پسند کرتا ہے۔ اس کی نگاہیں حسن، باطن تک یا تو پہنچتی ہی نہیں یا ان رنگین مناظر میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جو وقت کے ساتھ ہی ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جناب سعد میں حسن سیرت کی کوئی کمی نہ تھی لیکن دنیا ان کی صورت دیکھ کر انھیں ان کی بے قیمتی کا مایوسانہ احساس دلا رہی تھی اور انسانوں کی آبادیوں میں ایک انسان صرف اس قصور کی سزا پا رہا تھا کہ وہ بدصورت کیوں پیدا ہوا۔ عرب کی کوئی بھی عورت ان سے شادی کرنے کو تیار نہ تھی۔ بدصورتی کے احساس کے ساتھ تنہائی کا غم سانپ بن کر ان کے دل کو ڈس رہا تھا اور جناب سعد بیدرد زمانہ کی ٹھوکروں میں اس طرح کراہ رہے تھے جیسے کوئی بچہ انجانے میں آگ کا انگارہ اٹھالے اور بلک بلک کر رو دے! ان کا کوئی سہارا نہیں تھا لیکن کسی نے رہنمائی کی اس سہارے تک جو اس دنیا میں ہر بے سہارے کا سہارا بن کر آیا تھا۔

اپنی بدصورتی سے خوف زدہ اور مایوس انسان مسجد نبوی میں آیا اور اس نے لرزتے ہوئے کہا۔

اے محمد! میں ایمان لانا چاہتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ مجھے جنت میں جانے سے نہ روک دیا جائے۔ میں بدصورت ہوں اور سنتا ہوں کہ جنت میں کوئی بدصورت نہ ہوگا۔"

اس آواز میں انسانیت کا درد بھرا ہوا تھا ایک تڑپ تھی، ایک بے چینی اور بے قراری تھی۔

اچانک وہ نگاہ اٹھی جس میں زخمی دلوں کے لئے پیار کی ایک لذت تھی رحمت کی ایک ٹھنڈک تھی جناب سعد کی نگاہوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور ایسا محسوس ہوا کہ یاس و ناامیدی کی وہ تمام تاریکیاں چھٹ گئیں جو جناب سعد کے دل پر چھائی ہوئی تھیں۔

جن لبوں کے تبسم سے پھولوں نے کم کم کھلنا سیکھا تھا۔ جن کی پیار بھری ہنسی سے صبح ازل کا نور پھیلا تھا۔ جب جناب سعد سے گویا ہوئے تو سلگتی ہوئی زندگی کے انگاروں پر شبنم حیات کے ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے برسنے لگے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "نہیں سعد! خدا کی جنت کا دروازہ تمھارے لئے کھلا ہوا ہے۔ وہاں جانے سے تمھیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

صادق القول کی زبان طاہر سے یہ شیریں جواب سنتے ہی جناب سعد

کا چہرہ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے چمک اٹھا کالی صورت پر بھی ایک نکھار آگیا اور ان کے چہرہ پر خون کی سرخی اس طرح جھلکنے لگی جیسے کالے بادل کے ٹکڑوں میں سے شفق جھلکتی ہے۔

فرطِ حیرت و مسرت میں بے اختیار ان کے سیاہ اور موٹے ہونٹوں پر کلمۂ توحید کے نورانی الفاظ آگئے۔ ان کے دل میں محبت کی پیاس بھڑک رہی تھی اور اب جو محبت کا جام ملا تھا تو وہ ڈگڈگا کر پینا چاہتے تھے۔ پوں پینا چاہتے تھے کہ تشنہ کامی کا کوئی گلہ نہ رہے، کوئی شکوہ نہ رہے، کوئی تکلیف نہ رہے وہ مسلمان ہوگئے تھے۔ ایک شکستہ دل انسان کو سہارا مل گیا تھا محبت کی راہ مل گئی تھی۔ اس نے اپنے خدا کو پالیا تھا۔ خدا کے رسول کو پالیا تھا اور اس بیدردِ زمانہ کے سب ہی بھید اس کی نگاہوں پر کھل چکے تھے۔ انھیں دنیا سے اب کوئی شکایت نہیں تھی۔ اپنی بدصورتی کا کوئی رنج نہیں تھا۔ کوئی گلہ نہیں تھا۔

کچھ دن بیت گئے لیکن تنہائی کا احساس اب بھی دل میں کانٹے کی طرح کبھی کبھی کھٹکنے لگتا۔ یہ خیال آتا کہ کاش میرا گھر بھی بس سکتا۔ کاش کوئی عورت مجھ سے شادی کر سکتی۔ کاش میری نسل چلتی، میرے بچے ہوتے اور میں بھی زندگی کی وہ مسرتیں اور لذتیں پا سکتا جو دوسروں کو حاصل ہیں، مجھے حاصل نہیں ہیں صرف اس لئے کہ میں بدصورت ہوں۔ بدصورت ہونا بھی کتنا بڑا قصور ہے۔ جناب سعد کے چہرہ سے ایک بار پھر خونچکاں مایوسی ٹپکنے لگی لیکن یہ مایوسی کیوں! جناب سعد نے سوچا وہ انسان کے ہر درد کا معالج ہے جس کی پرنور نگاہیں ہر زخمی دل پر ٹھنڈا ٹھنڈا مرہم رکھ دیتی ہیں۔ میں اپنے دل کا درد اس سے ہی کیوں نہ کہوں، جو اس وسیع و عریض دنیا میں جس میں عمر بھر میں نے حقارت کی ٹھوکریں کھائی تھیں۔ میرے لئے عزت کا وسیلہ بنا ہے جس نے میرے ٹوٹے ہوئے دل کو سہارا دیا ہے جس نے مجھے خدا کی راہ دکھائی ہے۔ زندگی کے راستہ پر رہنمائی کی ہے۔

یہ سوچتے ہی جناب سعد کا چہرہ ایک بار پھر دمک اٹھا اور انھوں نے محسوس کیا کہ جیسے ان میں زندگی کی نئی توانائی آگئی ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر اس دروازہ پر سر جھکائے کھڑے ہوگئے جہاں انسان ہی نہیں فرشتوں کے بھی سر جھکتے ہیں۔

"کیوں سعد خاموش کیوں ہو" سعد کے دل کا درد محسوس کرتے ہوئے کوثر کے پانی سے دھوئی ہوئی اس زبان نے سوال کیا۔ جس پر قرآن کی فصاحت بول اٹھتی تھی۔

خدا کے رسول! اسلام نے مجھ سے جنت کا وعدہ تو کیا ہے لیکن دنیا بدستور تاریک ہے۔ میں اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں لیکن کوئی بھی شخص مجھے اپنی بیٹی دینے کو تیار نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں بدصورت ہوں! سعد نے اس لہجہ میں کہا جس میں ان کے دل کی دھڑکنوں نے ایک طرح لرزش پیدا کر دی تھی۔ سعد کی صورت میں ایک انسان کراہ رہا تھا اور بے پناہ درد تھا اس کی آواز میں۔

گری پڑی انسانیت کا بازو تھام کر سہارا دینے والے نے جناب سعد کے ٹوٹے ہوئے دل کی آواز کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ جاؤ قبیلہ ثقیف کے سردار عمرو بن وہب کو خدا کا یہ فیصلہ سنادو کہ اس کی بیٹی تمھارے نکاح میں دے دی گئی ہے۔

جناب سعد مسرت و حیرت سے دم بخود رہ گئے۔ اللہ کا رسول اللہ کے فیصلہ کا اعلان کر چکا تھا۔ صادق القول کی آواز فضا میں گونج چلی تھی جناب سعد کا دل خوشی سے ان کے سینہ میں دھڑک رہا تھا اور ان کے سیاہ چہرہ پر مسرت کی سرخی اس طرح جھلک رہی تھی، جیسے گہن لگے ہوئے آفتاب کی روشنی!

جناب سعد نے جناب عمرو بن وہب کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سنایا تو ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ جس بدصورت شخص کو چھوٹے سے چھوٹا گھرانا بھی اپنے اندر جذب کرنے کو عار سمجھتا تھا۔ اس کے نکاح میں ایک قبیلہ کا سردار اپنی بیٹی دے دے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ وہ گردن جھکائے خاموش تھے کہ جواب کیا دیں ایک طرف ایمان تھا دوسری جانب بیٹی کی محبت تھی عجیب کشمکش تھی عمرو کے لئے! جناب سعد نے ان کے سکوت کو انکار سے تعبیر کیا اور سلامتی کی دعا دے کر جب واپس جانے لگے تو ایک کانپتی ہوئی شرمیلی شیلی آواز نے انتہائی بیباکی سے پکارا

"اے جانے والے خدا کے بندے! اگر یہ فیصلہ خدا اور خدا کے رسول کا ہے تو مجھے منظور ہے" یہ جناب عمرو بن وہب کی صاحبزادی کی آواز تھی۔ بیٹی کے اس جوشِ ایمان نے جناب عمرو بن وہب کی کشمکش بھی ختم کر دی تھی وہ مسکراتے ہوئے جناب سعد کے پاس آئے اور بولے "مجھے یہ فیصلہ منظور ہے آپ شادی کا انتظام کریں" جناب سعد خوشی خوشی بازار گئے اور شادی کا سامان خریدنے لگے۔ اچانک ان کے کانوں میں یہ آواز گونجی "خدا کے بندو جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ!"

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

مولانا بدرالدجی صاحب نعیمی اشرفی

قرآن پاک کا افشائے راز ۲

وہ منافق جن کے بارے میں قرآن نے ارشاد فرمایا ہے وماھو بمؤمنین وہ ایمان والے نہیں وہ منافقین جنھوں نے ایمان والوں سے ملتے وقت آمنا کہا اور اپنے ساتھیوں سے ملاقات کے درمیان یہ کہا کرتے تھے انا معکم انما نحن مستھزءون ط یعنی ہم تو تمہارے ساتھ ہیں صرف ان سے مذاق کرتے ہیں وہ منافقین جن کیلئے قرآن حکیم نے فیصلہ قطعی فرمادیا ہے اس کا مستقر جہنم کا نیچا درجہ ہے۔

یعنی منافق کا عذاب کافر سے کہیں زیادہ ہے کیوں کہ دنیا میں اظہار اسلام کرکے مجاہدین کے ہاتھوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا نیز کفر کے باوجود مسلمانوں کو مغالطہ دینا اور اسلام کے ساتھ استہزا ان کا شیوہ رہا۔ انھیں منافقین میں منافق ولید ابن مغیرہ بھی ہے جس نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شان میں دریدہ دہنی کرتے ہوئے مجنوں جیسا مکروہ لفظ استعمال کیا تھا۔ اس کی اس گستاخی کا جواب قرآن کی زبان میں سنئے۔ لاتطع کل حلاف مھین ط ھماز مشاء بنمیم ط مناع للخیر معتد اثیم ط عتل م بعد ذلک زنیم ط

ہر ایسوں کی باتیں مت سنو جو قسم کھانے میں جھوٹ اور باطل کی بھی پرواہ نہیں کرتے جس کی زندگی کا واحد مقصد یہ رہ گیا ہے کہ لوگوں کو طعنے دیا کرے اور ایک دوسرے کی باتیں فساد کی غرض سے غیبت کرتے پھریں۔ نہ خود بھلائی کی راہ اپنائیں اور نہ دوسروں کو نیکی کرنے دیں فسق و فجور میں اتنا بڑا جری کہ اسے خالق خدا سے ذرہ برابر شرم و عار نہیں، بدزبان اور اس پر طرہ یہ کہ وہ حرامی جس کے اصل کا پتہ نہیں

جب یہ آیت نازل ہوئی اور ولید ابن مغیرہ نے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سنا تو اس نے اپنی ماں سے جاکر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جتنی باتوں کی اطلاع دی ہے میں جانتا ہوں کہ وہ سب میرے اندر موجود ہیں۔ لیکن اصل میں خطا یعنی "حرامی"۔ تو مجھے سچ سچ بتاؤ صحیح کیا ہے؟ ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا۔

اس پر اس کی ماں نے کہا تیرا باپ نامرد تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا ان کے مرنے کے بعد ان کا مال غیروں میں تقسیم ہو جائیگا۔ اس ڈر سے میں نے ایک چرواہے کو بلالیا اور تو اسی کے نطفہ سے ہے۔

ولید ابن مغیرہ کی مالی پوزیشن نہایت عمدہ تھی وہ ایک لاکھ دینار نقد رکھتا تھا اور اس کا باغیچہ ایسا عمدہ تھا کہ سال کے کسی حصہ میں بھی پھل سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

اس کے دس بیٹے تھے جس میں سے تین نے اسلام قبول کیا۔ ولید نے اپنے تمام بیٹوں اور رشتہ داروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ وہ اسلام قبول نہ کریں ورنہ اپنی جائیداد سے انھیں محروم کر دونگا۔ جب اس کے سامنے قرآن کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو برملا کہتا کہ یہ تو اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ غرضیکہ ولید ابن مغیرہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کی وہ قدرت کو ناگوار گزرا اور اسی جرم کی پاداش میں اسے منافق اور دیگر خطابات رذیلہ سے پکارا گیا۔ مذکورہ بالا آیتوں سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آج بھی کوئی دریدہ دہن سرور عالم کی شان اقدس میں گستاخی کرے تو اس کا جواب دینا سنت الہیہ ہے۔ اور سرور عالم کی بارگاہ کا گستاخ مسلمان نہیں کافر و مرتد ہے تو پھر آج جب علماء اپنی تقریر و تحریر میں ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جنھوں نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو چمار سے زیادہ ذلیل کہا ان کے علم کو چوپایہ کے علم سے تشبیہ دی، نماز میں ان کے خیال آنے کو نماز فاسد کہا، تو کیا برا کرتے ہیں بلکہ یہ تو سنت الہیہ پر عمل کرتے ہیں۔

مولانا شفیق احمد اعظمی

وہ لوگ جو مسلمان تھے!

دوپہر کا وقت تھا، دھوپ اس قدر تیز تھی کہ دماغ تک پگھل رہا تھا، پورا ریگستانی علاقہ شعلوں کی طرح دہک رہا تھا، ہوا کے تیز جھونکوں سے درختوں کی پتیاں جھلس رہی تھیں ایسے وقت میں کچھ لوگ ایک نہتے آدمی کو نیزوں بھالوں اور برچھیوں کی نوک پر رُو کے کچھ کہلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ حضرت ابو فکیہہ تھے، جن کے ارد گرد کچھ لوگ وحشت و بربریت کا مظاہرہ کر رہے تھے، ان میں سے ایک نے جو صورت سے ان کا سردار معلوم ہو رہا تھا، گرجدار آواز میں حضرت ابو فکیہہ کو مخاطب کیا۔

"ابو فکیہہ تم اقرار کرو ہبل ہمارا معبود ہے، ورنہ یہ برچھیاں تمھارے جسم میں پیوست ہو جائیں گی۔"

یہ سنتے ہی حضرت ابو فکیہہ کی غیرت ایمانی کو جلال آیا آپ نے بلند آواز سے فرمایا:

"اُمیّہ! کیا پتھر کا وہ مجسمہ جس کو تمھارے آباء و اجداد نے اپنے ہاتھوں سے تراش و خراش کر بنایا ہے ہمارا معبود ہو سکتا ہے؟ یہ انسانیت کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ جس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا جائے، اسی کے آگے انسان سجدہ ریز ہو —— اُمیہ! ایسا نہیں ہو سکتا اور ہرگز نہیں ہو سکتا!

اُمیہ کے چہرے پر غم و غصہ کی لہریں پیدا ہوئیں اور پھر غصہ سے بے قابو ہو کر اس نے حضرت ابو فکیہہ کی گردن پکڑ لی اور اتنے زور سے دبایا کہ حضرت ابو فکیہہ کی آنکھیں باہر نکل آئیں اور سانس کی آمد و رفت بند ہو گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ حضرت ابو فکیہہ کا دم نکل گیا —— مگر جوں ہی ہوش آیا اُمیہ نے پھر کہا:

"ابو فکیہہ! اب بھی بتاؤ تمھارا خدا کون ہے؟"

حضرت ابو فکیہہ نے اپنی تیور کے ساتھ جواب دیا "میرا خدا وہ ہے جس نے ہمیں، تمھیں اور ساری کائنات کو وجود بخشا ہے"

اُمیّہ تلملا اٹھا اور پھر اپنے قریبی ساتھیوں کو پتھر لانے کا حکم دیا، قریب ہی ایک بڑا وزنی پتھر پڑا تھا، جسے کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا اور حضرت ابو فکیہہ کے سینے پر رکھ دیا۔ پتھر گرم اور اس قدر وزنی تھا کہ جب ابو فکیہہ کے سینے پر رکھا گیا تو ان کی زبان باہر نکل آئی، ہل نہ سکے اور بےدم ہو کر رہ گئے۔

یہ سب ہو رہا تھا کہ اچانک قریب ہی سے ایک دل دوز چیخ سنائی دی، سبھوں نے گردنیں اُٹھا کر اپنے ماتھے کی آنکھ سے دیکھا کہ ابو جہل برچھی لئے کھڑا، غصہ سے لال پیلا ہو رہا ہے اس کے سامنے حضرت سمیّہ، حضرت یاسر کی شریک حیات، حضرت عمار کی والدہ کھڑی ہیں، ان کے سینے سے خون کا فوارہ اُبل رہا ہے ابو جہل کہہ رہا تھا:

"کیوں جان دیتی ہے؟ اقرار کر کہ ہبل سب سے بڑا خدا ہے"

حضرت سمیّہ کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی، مگر زبان سے یہ صدا نکل کر ساری فضا میں بکھر گئی:

"ہبل خدا نہیں، بُت ہے، پتھر کا ایک مجسمہ ہے"

ابو جہل کا چہرہ شدت غیظ و غضب سے متغیر ہو گیا۔ اس نے چلا کر کہا:

"او خدا کی دیوانی! بُلا اپنے خدا کو، دیکھوں تیرا خدا تجھ کو میرے ہاتھوں سے بچاتا ہے؟

حضرت سمیہ نے کہا۔ "خدا کو آہستہ پکارو یا چلّا کر وہ سنتا اور دیکھتا ہے، اپنے نیک بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ ابو جہل! ذرا سوچو یہ پتھر کے مجسمے، جنھیں تم اور تمھارے باپ دادا نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں، بھلا یہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟"

ابو جہل غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا، طیش میں آکر حضرت سمیہ پر برچھی چلادی۔ ان کی زبان سے اللہ کا پیارا نام نکلا، وہ لڑکھڑا کر گری اور چہرے پر مُردنی چھاگئی، پھر آنکھیں کھولکر گرد وپیش کو دیکھکر مسکرائیں، ان کا یہ تبسم آخری تھا، اب ان کی روح نفس عنصری سے ہمیشہ کے لئے پرواز کرچکی تھی،

یہ ڈرامہ دوچار میں نہیں بلکہ ایک ہجوم میں اسٹیج کیا گیا۔ مگر ان سے کسی کا دل بھی حضرت سمیہ کی موت سے متاثر نہ ہوا۔ حضرت عمار نے اپنی والدہ کو شہید ہوتے دیکھ کر اپنی مردہ ماں کی لاش سے لپٹ گئے، سر اٹھاکر زانو پہ رکھا اور غبار آلود بالو کو صاف کرتے ہوئے کہا:

"آہ! امی جان، ظالموں نے تجھے ہلاک کر دیا، آج میری مسرت کا آفتاب غروب ہوگیا۔

جب تک حضرت عمار روتے رہے، ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی مگر جیسے ہی ان کی زبان پر خدا کا نام آیا، پھر لاتوں اور پتھروں کی بارش ان پر شروع ہوگئی اور اس قدر مارا کہ وہ بیہوش ہوکر والدہ کی لاش پر گر پڑے۔

مسلمانوں کی یہ کتنی تابناک تاریخ ہے کہ ظلم وستم کی بارش میں بھی اسلام کو اپنے سینے سے لگائے رکھا، آج وہ ہم میں نہیں ہیں مگر ان کا ایمان وکردار ہمارے لئے درس عبرت ہے!

بقیہ تاریخی افسانہ صفحہ ۳۶ سے آگے

بقیہ تاریخی افسانہ صفحہ ۳۶ سے آگے

جناب سعدؓ آواز سن کر تھم گئے جذبات میں طوفان سا اٹھا ایک طرف شادی کی مسرتیں تھیں، حجلۂ عروسی کا تصور تھا اور دوسری جانب شہادت کا شرف تھا۔ جناب سعد نے ایک لمحہ توقف کیا شادی یا جہاد!

انھیں فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی وہ مجاہدین کے ساتھ روانہ ہوگئے خدا کے رسول نے سعد کو میدان جنگ میں دیکھا تو آواز دی لیکن سعد شہادت کی سرمستی میں ڈوب رہے تھے وہ آواز پر چونکے لیکن جواب نہ دے سکے۔ فوج کے نرغہ میں گھرا ہوا یہ شیر جنگ کرتا رہا" آگے بڑھتا رہا دشمنوں کے سر دوش سے اتارتا رہا۔ لیکن ایک وار سر پر لگی اور جناب سعد کے ماتھے پر خون کی دھاروں کا سہرا بندھ گیا۔ ان کی شہادت کی خبر جناب عمرو بن وہب کی صاحبزادی کو ملی تو انھوں نے سوگوار ہوکر کہا سعد! شہادت مبارک ہو جنت میں مجھے بھول نہ جانا

بقیہ امام احمد رضا صفحہ ۲۲ سے آگے

عشاق روضہ سجدے میں سوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے!

شیفتگی وارفتگی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یوں فرماتے ہیں ۔

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف
ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا کرے

مختصر یہ کہ اعلیٰحضرت کے سیکڑوں اشعار ایسے ہیں جن میں آپ نے وارفتگی اور دیوانگی کا مظاہرہ اس انداز میں فرمایا ہے کہ منصور کی اناالحق کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں صاف دامن بچاجاتے ہیں اور شریعت کی گرفت سے آزاد ہوجاتے ہیں۔

علامہ نظامی کی تالیفات و ترتیبات

خون کے آنسو

ذہن و فکر میں زلزلہ پیدا کرنے والی علامہ نظامی کی معرکۃ الآراء تصنیف جس کا مطالعہ اپنوں کے لئے ایمان کی پختگی کی ضمانت اور دوسروں کے حق میں لمحۂ فکریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ابھی تک یہ کتاب آپ کے مطالعہ سے نہیں گذری تو آج ہی اپنے آرڈر سے ہمیں اطلاع دیں۔

خون کے آنسو حصہ اوّل قیمت تین روپئے — خون کے آنسو حصہ دوم قیمت دو روپیہ ۵۰ پیسے

نسیم رحمت

بہار، گجرات، راجستان، اتر پردیش، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، کیرالا کے بہت سے مکاتب میں داخل نصاب ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے آسان زبان میں دینیات کی یہ ایک بہت ہی مفید اور مستند کتاب ہے۔ اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ آپ کی گود کے پروردہ بچے مسلمان ہو کر زندہ رہیں تو اسے ہر اسلامی گھرانے میں پھیلانے کی کوشش کیجئے۔

نسیم رحمت حصہ اول قیمت:- ۲۸ پیسے۔ حصہ دوم قیمت ۳۴ پیسے۔ حصہ سوم قیمت ۴۷ پیسے

فردوسِ ادب

یہ کتاب بھی ملک کے عام مکاتب میں داخل نصاب ہے۔ برسوں کے تجربہ کے بعد عام مدرسین کا یہ خیال ہے کہ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت میں انتہائی موثر اور سہل حصول کتاب ہے۔ اگر آپ کی یہ آرزو ہے کہ زبان اردو کے ساتھ بچوں کا ذہن اسلامی سانچے میں ڈھل جائے تو فردوس ادب کی تعلیم بچوں کے لئے لازم قرار دیجئے۔

فردوس ادب حصہ اوّل قیمت ۲۵ پیسے — فردوس ادب حصہ سوم قیمت ۳۴ پیسے

〃 〃 دوم 〃 ۲۸ 〃 — 〃 〃 〃 چہارم 〃 ۴۷

کربلا کا مسافر

خلافت معاویہ و یزید مرتبہ محمود احمد عباسی امروہوی کے رد میں زور دلائل کے اعتبار سے عصر حاضر کی بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ۳ روپئے

مجرم کون ہے؟

یہ علامہ نظامی کی بالکل تازہ تصنیف ہے جس میں وقت کے بہت سے پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسائل پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے آپ اپنا آرڈر ہمیں جلد بھیجدیں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑے گی کمیشن ایجنٹوں کو معقول کمیشن دیا جائیگا

قیمت

دو روپیہ پچاس پیسے

ہند کے راجہ یعنی سوانح خواجہ

یہ کتاب بھی علامہ نظامی کی بالکل تازہ تالیف ہے جس میں سلطان الہند سیدی سرکار معین الدین اجمیری سنجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر سوانح حیات کے علاوہ مزارات پر قبہ بنانے۔ چادر پوشی۔ گل پاشی۔ اہل اللہ کے تبرکات کی زیارت وغیرہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ بمبئی کی خواجہ غریب نواز کمیٹی ہفت صد سالہ جشن غریب نواز منانے جارہی تھی اسکی دعوت قبول کرنے کے بعد علامہ نظامی نے اسی اسٹیج کیلئے ہند کے راجہ کی ترتیب دی ہے کتاب کے آخر میں گلہائے عقیدت کے نام ممتاز شعرا اور اہل اللہ کی منقبت کا ایک روح پرور مجموعہ بھی شامل ہے

Rs. 1/25 پچیس پیسے

ملنے کا پتہ:- انوار احمد نظامی منیجر مکتبہ پاسبان - الہ آباد ۳